سورۃ الانفال

ایاتہا ۷۵ ۸ سورۃ الانفال مدنیۃ ۸۸ رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حضرت حسن، عکرمہ، جابر اور عطا رحمہم اللہ کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی بدری ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: یہ سورۃ مدنی ہے سوائے سات آیات کے اور وہ قول باری تعالیٰ: وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے لے کر ساتویں آیت کے آخر تک ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

”دریافت کرتے ہیں آپ سے غنیمتوں کے متعلق۔ آپ فرمایئے: غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں پس ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اور اصلاح کرو اپنے باہمی معاملات کی اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان دار ہو“۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں دشمن کا مقابلہ کیا، جب اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست سے دوچار کر دیا (اور وہ بھاگ نکلے) تو مسلمانوں کے ایک گروہ نے انہیں قتل کرنے کے لیے ان کا تعاقب کیا اور ایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے آپ کے اردگرد رہا اور ایک گروہ جمع شدہ مال اور چھینے ہوئے مال غنیمت پر قابض رہا، پس جب اللہ تعالیٰ نے دشمن کو بھگا دیا اور جو ان کے تعاقب میں گئے تھے وہ واپس لوٹ آئے تو انہوں نے کہا: مال غنیمت ہمارا ہے، ہم وہ ہیں جنہوں نے دشمن کا پیچھا کیا اور ہمارے سبب ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں مار بھگایا اور انہیں شکست اور ناکامی سے دوچار کیا۔ اور وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد جمع رہے انہوں نے کہا: تم مال غنیمت کے ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہو، بلکہ وہ ہمارا ہے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد جمع رہے تاکہ دشمن آپ کو کوئی دھوکہ نہ پہنچا سکے۔ اور وہ لوگ جو جمع شدہ اور چھینے ہوئے مال پر قابض رہے انہوں نے کہا: تم ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہو، وہ تو ہمارے لیے ہے، ہم نے ہی اسے جمع کیا ہے اور ہم نے اس پر قبضہ کیا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تیزی کے ساتھ ان کے درمیان تقسیم کر دیا۔ ابو عمر نے کہا: اہل

علم نے لسان العرب میں کہا ہے: اِستَلَوْا (یعنی) وہ قریب ہوئے اور احاطہ کرلیا۔ کہا جاتا ہے: الموت مُسْتَلٍو علی العباد (موت بندوں کے قریب ہے اور احاطہ کیے ہوئے ہے) اور آپ کا قول: فقسمه عن فُواق یعنی تیزی کے ساتھ آپ نے اسے تقسیم کر دیا۔ وہ کہتے ہیں: والفُواق ما بین حَلْبَتَي الناقة (یعنی فواق سے مراد اونٹنی کو دوبارہ دوہنے کے درمیان والا وقفہ ہے)

کہا جاتا ہے: انتظرہ فوق ناقة یعنی اتنی مقدار تو اس کا انتظار کر۔ اور وہ اسے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ بولتے ہیں یعنی فُواق اور فَواق۔ اور یہ حکم اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے تھا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ الآیہ (الانفال: 41) (اور جان لو کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس کا پانچواں حصہ) گویا علماء کے نزدیک معنی یہ ہے یعنی اس بارے میں حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہے اور اس بارے میں عمل اس کے مطابق ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے۔ محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے: ہمارے اصحاب میں سے عبدالرحمن بن حارث وغیرہ نے سلیمان بن موسیٰ اشدق سے انہوں نے مکحول سے اور انہوں نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مال غنیمت کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ہم میں اصحاب بدر کی جماعت تھی جو (غزوۂ بدر میں) شریک تھے جس وقت ہمارے درمیان مال غنیمت کے بارے اختلاف ہوا اور اس میں ہمارے اخلاق درست نہ تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برابر برابر تقسیم فرما دیا۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کے خوف، اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اپنے معاملات میں اصلاح کے لیے تھا۔

اور صحیح میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بہت زیادہ مقدار میں مال غنیمت حاصل کیا، اس میں ایک تلوار تھی، میں نے اسے اٹھا لیا اور اسے لے کر میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی: یہ تلوار مجھے عطا فرما دیجئے، بلاشبہ میں وہ ہوں جس کی حالت سے آپ واقف و آگاہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے وہیں لوٹا دو جہاں سے تو نے اسے اٹھایا ہے''۔ پس میں چلا گیا یہاں تک کہ میں نے اسے مقبوض مال میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو میرے نفس نے مجھے ملامت کی اور میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ کر آیا اور عرض کی: آپ یہ (تلوار) مجھے عطا فرما دیجئے۔ آپ بیان کرتے ہیں: پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنی آواز سخت کی اور فرمایا: ''اسے وہیں لوٹا دو جہاں سے اسے اٹھایا ہے''۔ پس میں چلا گیا، یہاں تک کہ میں نے اسے مال مقبوض میں ڈال دینے کا ارادہ کیا تو میرے نفس نے مجھے ملامت کی اور میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آیا اور عرض کی: آپ یہ تلوار مجھے عطا فرما دیجئے۔ آپ فرماتے ہیں: پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنا لہجہ سخت کیا اور فرمایا: ''تو اسے وہیں لوٹا دے جہاں سے تو نے اسے اٹھایا ہے''۔ تب اللہ تعالیٰ نے یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ نازل فرمائی۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ اور اس بارے میں روایات کثیر ہیں۔ اور اس بارے میں جو ہم نے ذکر کر دیا ہے وہ کافی ہے۔ واللہ الموفق للہدایة۔

مسئلہ نمبر 2۔ الْاَنْفَالِ کا واحد نَفَل فا متحرکہ کے ساتھ ہے، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

إِنَّ تَقْوَى رَبِّنَا خَيْرُ نَفَلٍ و بِإِذْنِ اللهِ رَيْثِي والعَجَلْ

اس میں خیر نفل بمعنی خیر غنیمۃ (اچھی غنیمت) ہے اور نفل کا معنی یمین (قسم) ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے فتبرئکم یہود بنفل خمسین منهم (یہود پچاس قسموں کے ساتھ تمہیں ان سے بری کر دیں گے) اور النفل کا معنی الانتفاء (نفی کرنا، انکار کرنا) بھی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے فانتفل من ولدها (پس اس نے اس کے بچے کا انکار کر دیا) اور نفل ایک معروف بوٹی بھی ہے۔ اور نفل کا معنی واجب پر زیادتی کرنا بھی ہے اور وہ نفلی عبادت ہے۔ اور بچے کا بچہ بھی نافلہ کہلاتا ہے، کیونکہ وہ بچے پر زائد ہی ہوتا ہے۔ اور مال غنیمت بھی نافلہ کہلاتا ہے، کیونکہ یہ وہ اضافہ اور زیادتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے حلال قرار دیا ہے اور یہ ان میں سے ہے جو دیگر امتوں پر حرام تھی۔ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے (دیگر) انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔ اور ان میں۔ ایک یہ ہے کہ میرے لیے مال غنیمت کو حلال قرار دیا ہے (1)۔ اور الْأَنْفَالِ سے مراد بذات خود غنائم ہی ہیں۔ عنترہ نے کہا ہے:

إِنَّا إِذَا أَحمر الوَغَى نُرْوِي القنا ونَعِفّ عند مقاسم الأنفال

اس میں الْأَنْفَالِ سے مراد غنائم ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ انفال کے محل میں علماء کا اختلاف ہے اس بارے میں چار اقوال ہیں:

(۱) اس کا محل اس مال میں ہے جو کافروں سے کٹ کر مسلمانوں کی طرف آ جائے یا بغیر جنگ کے لے لیا جائے (۲) اس کا محل خمس (پانچواں حصہ) ہے (۳) اس کا محل خمس کا خمس (پانچواں کا پانچواں حصہ) ہے (۴) اصل مال غنیمت، جیسا بھی امام وقت اسے پاتا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ انفال سے مراد وہ عطیات اور انعامات ہیں جو امام وقت خمس سے عطا کرتا ہے، جس طرح اس کے بارے وہ اپنی رائے رکھتا ہو۔ بقیہ چار حصوں میں کوئی نفل نہیں ہوتا، بلاشبہ وہ کل مال غنیمت سے نفل نہیں پاتا کیونکہ اس کے مستحق معین ہوتے ہیں اور وہ اسے گھوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ حاصل کرتے ہیں اور خمس کی تقسیم امام کے اجتہاد اور رائے کو سونپ دی گئی ہے۔ اور اس کے مستحق معین نہیں ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جو مال غنیمت تمہیں عطا فرمایا ہے میرے لیے سوائے خمس کے اور کچھ نہیں اور خمس بھی تم پر لوٹا دیا جائے گا'' (2)۔ پس اس کے بعد یہ ممکن نہیں کہ نفل کسی ایک کا حق ہو اور بلاشبہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے وہ خمس ہے۔ آپ کے مذہب میں سے یہی معروف ہے۔ اور تحقیق آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ خمس کا خمس ہے۔ اور یہی قول حضرت ابن مسیب، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ اور سبب اختلاف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے انہوں نے

1۔ مشکوۃ المصابیح باب فضائل سید المرسلین

2۔ سنن ابی داؤد، باب فداء الاسیر بالمال، حدیث نمبر 2319، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایضاً، باب فی الامام یستاثر بشیئ من الفیئ لنفسہ، حدیث نمبر 2374، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے نجد کی جانب ایک سریہ بھیجا تو انہیں بہت سے اونٹ مال غنیمت میں ہاتھ آئے، ان کے حصے میں بارہ یا گیارہ گیارہ اونٹ آئے اور پھر انہیں ایک ایک اونٹ بطور نفل بھی دیا گیا۔ اسی طرح اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اور یہ شک آپ سے یحییٰ کی روایت میں موجود ہے اور اسی پر موطا کے راویوں کی ایک جماعت نے ان کی اتباع کی ہے سوائے ولید بن مسلم کے کیونکہ انہوں نے مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس میں کہا ہے: ان کے حصص بارہ بارہ اونٹ تھے اور ایک ایک اونٹ انہیں بطور تنفیل دیا گیا۔ اور انہوں نے شک کا اظہار نہیں کیا۔ ولید بن مسلم اور حکم بن نافع نے شعیب بن ابی حمزہ سے انہوں نے حضرت نافع کے واسطہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک لشکر میں نجد کی جانب بھیجا۔ اور ولید کی روایت میں ہے اس کی تعداد چار ہزار تھی۔ اور لشکر سے ایک سریہ نکلا۔ اور ولید کی روایت میں ہے: پس میں بھی ان میں تھا جو اس میں نکلے تھے۔ پس لشکر کے حصص بارہ بارہ اونٹ تھے۔ اور اہل سریہ کے حصہ بطور تنفیل ایک ایک اونٹ تھا، پس ان کے حصص تیرہ تیرہ اونٹ ہو گئے، اسے ابوداؤد نے ذکر کیا ہے۔ اسی سے انہوں نے استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں: بے شک نفل مجموعی خمس سے ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ سریہ (چھوٹا سا دستہ) اگر کسی مقام پر اترا مثلاً اس میں دس افراد شامل تھے انہوں نے اپنے مال غنیمت میں ڈیڑھ سو (اونٹ) حاصل کیے، تو ان سے ان کا خمس تیس اونٹ پہلے نکال لیے جائیں گے اور ان کے لیے ایک سو بیس رہ جائیں گے، جو دس افراد پر تقسیم کیے جائیں گے اور وہ ہر ایک کے حصہ میں بارہ بارہ اونٹ آئیں گے، پھر اس قوم کو خمس میں سے ایک ایک اونٹ دے دیا جائے گا، کیونکہ اس میں تیس کا خمس دس اونٹ نہیں ہو سکتے۔ پس جب تو نے دس کے لیے حصہ پہچان لیا تو پھر سو، ہزار اور زائد کے لیے جو ہوگا اسے بھی معلوم کر لے گا۔

اور جنہوں نے کہا ہے کہ نفل خمس کے خمس میں سے ہوگا انہوں نے اس طرح کہا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (مال غنیمت میں) کپڑے بھی ہوں جو بیچے جا سکتے ہوں اور اونٹوں کے علاوہ بھی ساز و سامان ہو، تو وہ آدمی جسے اونٹ نہ ملے اسے اس سامان میں سے اونٹ کی قیمت ادا کر دی جائے۔ اور اسے اس حدیث سے تقویت پہنچتی ہے جسے مسلم نے اس حدیث کے بعض طرق میں بیان کیا ہے: ''پس ہم نے اونٹ اور بکریاں حاصل کیں''، الحدیث۔

محمد بن اسحاق نے اس حدیث میں ذکر کیا ہے کہ امیر (لشکر) نے تقسیم سے پہلے ان کے لیے تنفیل کی اور یہ اسے ثابت کرتا ہے کہ نفل کل مال غنیمت میں سے ہو۔ اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے خلاف ہے۔ اور جنہوں نے ان کے خلاف روایت کی ہے ان کا قول اولیٰ ہے کیونکہ وہ حفاظ ہیں، یہ ابو عمر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے اور مکحول اور اوزاعی رحمہما اللہ نے کہا ہے: ثلث سے زیادہ کے ساتھ تنفیل نہیں کی جائے گی، جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اگر وہ ان کے لیے زیادہ عطا کرنے کا قول کرے تو اسے ان کے لیے پورا کرنا چاہیے اور وہ اسے خمس میں سے ادا کرے گا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: نفل میں کوئی ایسی حد نہیں ہے جس سے امام تجاوز نہ کر سکتا ہو۔

مسئلہ نمبر 4۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اس پر دلیل ہے جو ولید اور حکم نے شعیب سے اور انہوں نے نافع سے

ذکر کیا ہے کہ جب سریہ لشکر میں سے نکلے اور وہ مال غنیمت حاصل کرنے تو لشکر بھی ان کے ساتھ شریک ہوگا اور یہ ایک مسئلہ اور حکم ہے جسے حدیث میں شعیب کے سوا نافع سے کسی نے ذکر نہیں کیا اور اس کے بارے میں علماء میں اختلاف نہیں۔ والحمد للہ

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کا امام وقت کے اس قول کے بارے اختلاف ہے جو قتال سے پہلے یہ کہتا ہے: جس نے اس قلعہ میں سے اتنا گرادیا تو اس کے لیے اتنا (مال) ہوگا اور جو کوئی فلاں جگہ تک پہنچ گیا تو اس کے لیے اتنا (مال) ہوگا اور جو کسی کا سر لے کر آیا تو اس کے لیے اتنا ہوگا اور جو کوئی کسی کو قیدی بنا کر لایا تو اس کے لیے اتنا ہوگا۔ گویا امام وقت یہ کہہ کر انہیں انگیخت دلا رہا ہے اور ان کے جذبات کو ابھار رہا ہے۔ پس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ قتال تو پھر حصول دنیا کے لیے ہوگا اور یہ جائز نہیں ہوگا۔ اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں موجود ہے، جب بدر کا دن تھا تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کسی نے کسی کو قتل کیا تو اس کے لیے اتنا ہوگا اور جس نے کسی کو قیدی بنایا تو اس کے لیے اتنا ہوگا'' (1)۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔

اور آپ رضی اللہ عنہ سے ہی حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اس اس طرح کیا اور فلاں فلاں جگہ پر آیا تو اس کے لیے اتنا ہوگا''۔ پس جوان تیزی سے دوڑ پڑے اور بوڑھے جھنڈوں کے پاس ہی ثابت قدم رہے۔ پس جب انہیں فتح حاصل ہوگئی تو جوان آئے اور اسی کا مطالبہ کرنے لگے جو ان کے لیے مقرر کیا گیا تھا تو بوڑھوں نے انہیں کہا: تم ہمارے بغیر ادھر نہیں جا سکتے تھے، تحقیق ہم تمہارے لیے مددگار اور معاون تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ (اور تم اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو) اسے اسماعیل بن اسحاق نے بھی ذکر کیا ہے۔

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو کہا جب وہ اپنی قوم میں آپ کے پاس آئے اور وہ شام کا ارادہ رکھتے تھے: کیا تیرے لیے ممکن ہے کہ تو کوفہ آئے اور تیرے لیے تمام زمین اور قیدیوں کے بدلے خمس کے بعد ثلث (تیسرا حصہ ہو؟) اور یہ فقہائے شام کی جماعت نے کہا ہے: ان میں امام اوزاعی، مکحول اور ابن حیوہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم شامل ہیں۔ اور ان کی رائے میں خمس کل مال غنیمت میں سے ہے اور نفل خمس کے بعد ہے پھر اصل لشکر کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم ہے۔ اور اسحاق، امام احمد اور ابو عبید رحمۃ اللہ علیہم نے یہی کہا ہے۔ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: آج لوگوں کا موقف یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے نفل نہیں ہوگا یہاں تک کہ خمس نکال لیا جائے گا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ جائز نہیں ہے کہ امام وقت سریہ کو کہے: جو مال تم نے حاصل کیا اس کا ثلث تمہارے لیے ہے۔ سحنون نے کہا ہے: وہ اس سے ابتداءً مراد لیتے ہیں۔ پس اگر یہ واقع ہوگیا تو وہ نافذ ہو جائے گا اور باقی مال میں ان کے حصص ہوں گے۔ اور سحنون نے کہا ہے: جب امام نے سریہ کو کہا: جو مال تم نے حاصل کیا تو تم پر اس میں خمس نہیں ہوگا۔ تو یہ قول جائز نہیں

1۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2360، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے۔ پس اگر یہ واقع ہو گیا تو بھی میں اسے رد کرتا ہوں، کیونکہ یہ حکم شاذ ہے یہ جائز نہیں ہے اور نہ نافذ العمل ہو گا۔

مسئلہ نمبر 6۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مستحب قرار دیا ہے کہ امام تنفیل نہ کرے مگر اس مال میں جو ظاہر ہو مثلاً عمامہ (مراد خود ہوں گے یا دستاریں) گھوڑے اور تلواریں۔ اور بعض علماء نے اس سے منع کیا ہے کہ امام وقت سونے، چاندی یا موتیوں وغیرہ میں تنفیل کرے۔ اور بعض نے کہا ہے: ہر شے میں تنفیل جائز ہے(1)۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اور آیت کے مقتضی کے مطابق یہی قول صحیح ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 7۔ قولہ تعالیٰ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ یہ تقویٰ اور اصلاح احوال کے بارے میں حکم ہے یعنی تم دعا میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر جمع ہو جاؤ: اللّٰھم أصلح ذات البَیْن یعنی اے اللہ ایسی حالت پیدا فرما دے جس کے سبب باہمی اتفاق اور اجتماعیت پیدا ہو جائے۔ پس یہ اس تصریح پر دلیل ہے کہ ان کے درمیان اختلاف پھوٹ پڑا یا نفوس باہم جھگڑنے کی طرف مائل ہو گئے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اور تقویٰ کا معنی پہلے گزر چکا ہے، یعنی تم اپنے اقوال وافعال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو۔ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اور غنائم اور دیگر معاملات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ یعنی مومن کا طریقہ یہ ہے کہ جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ اس کی پیروی کرے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان بمعنی اذ ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝

"صرف وہی سچے ایمان دار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور صرف اپنے رب پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں (اور) جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو، نیز اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں انہی کے لیے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور باعزت روزی"۔

قولہ تعالیٰ: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال غنیمت کو تقسیم کرنے کا جو حکم ارشاد فرمایا ہے یہ آیت اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کو لازم پکڑنے پر برانگیختہ کرتی ہے۔ الوجل کا معنی خوف ہے۔ اس کے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 498

مضارع میں چار لغتیں ہیں نحو جِلَ، یَوْجل و یَاجَل و یَیْجَل و یِیجل، اسے سیبویہ نے بیان کیا ہے۔ اور مصدر وَجِلْ وَجَلًا و مَوْجَلًا بالفتح ہے۔ اور یہ جیم کے کسرہ کے ساتھ موجِل ہو تو پھر اسم ظرف بنتا ہے۔ پس جنہوں نے کہا ہے: یاجل انہوں نے مضارع میں واؤ ماقبل مفتوح کو الف سے بدل دیا ہے اور قرآن کریم کی لغت واؤ کے ساتھ ہے۔ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ (الحجر:53) اور جنہوں نے یا کے کسرہ کے ساتھ یِیجل کہا ہے تو یہ بنی اسد کی لغت کے مطابق ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں: أنا إیجل، ونحن نِیجل، وأنت تِیجل یہ تمام کلمات کسرہ کے ساتھ ہیں۔ اور جنہوں نے کہا ہے: یَیجل تو ان کی بنا بھی اسی لغت پر ہے لیکن انہوں نے یا کو فتحہ دیا ہے جیسے انہوں نے یَعلم میں یا کو فتحہ دیا ہے اور یعلم میں یا کو کسرہ اس لیے نہیں دیا، کیونکہ انہوں نے یا پر کسرہ کو ثقیل سمجھا ہے، اور یِیجل میں کسرہ دیا گیا ہے اس لیے کہ دو یاؤں میں سے ایک نے دوسری کے سبب قوت پکڑ لی ہے۔ اور اس سے امر کا صیغہ اِیْجَل ہے (یہ اصل میں اِوْجَل تھا) اس میں واؤ ماقبل مکسور یا سے بدل گئی ہے۔ اور آپ کہتے ہیں: إنی منه لأوْجَل (میں اس کی نسبت زیادہ خوفزدہ ہوں اس میں أوْجَل اسم تفضیل کا صیغہ ہے) اور مونث میں وَجْلٰی نہیں کہا جائے گا، بلکہ مونث وجلة ہے۔ سفیان نے سدی سے قول باری تعالیٰ: الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب اس نے ظلم ڈھانے کا ارادہ کیا تو اسے کہا گیا: اللہ تعالیٰ سے ڈر، تو وہ رک گیا اور اس کا دل خوفزدہ ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مومنین کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ اس کے ذکر کے وقت خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور ان کے دل کانپ جاتے ہیں۔ اور ایسا ان کی قوت ایمانی اور اپنے رب کی طرف توجہ اور رعایت کے اعتبار سے ہوتا ہے، گویا کہ وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہیں۔ اور اس آیت کی مثل یہ آیت بھی ہے: وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الحج) اور (اے محبوب! مژدہ سنایئے تواضع کرنے والوں کو۔ وہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں) اور فرمایا: وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ (الرعد:28) (اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل ذکر الٰہی سے) پس یہ کمال معرفت اور وثوق قلب کی طرف راجع ہوتا ہے۔ اور وجل کا معنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوفزدہ ہونا اور گھبرا جانا ہے اور اس کے معنی میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں معنوں کو اپنے اس ارشاد میں جمع کر دیا ہے: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر:23) (اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن ان کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے، پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف)

یعنی ان کے نفوس اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے کی حیثیت سے پرسکون ہوتے ہیں اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یہ ان کی حالت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں اور اس کے رعب وجلال اور اس کی سزا سے خوفزدہ رہتے ہیں، نہ کہ اس طرح جیسا کہ جاہل عوام اور حقیر بدعتی لوگ کرتے ہیں مثلاً چیخ و پکار کرنا، شور مچانا اور ایسی آوازیں نکالنا جو گدھوں کے رینگنے کے مشابہ ہوتی ہیں۔ پس یہ صورت حال لاحق ہو اور وہ یہ گمان کرے کہ یہ وجد اور خشوع ہے تو اسے کہا جائے گا: تو اللہ تعالیٰ کی

معرفت، اس کا خوف اور اس کی عظمت وجلال کی تعظیم کرنے میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی حالت اور کیفیت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے باوجود وعظ ونصیحت کے وقت ان کی حالت اللہ تعالیٰ کے بارے فہم اور اس کے خوف سے رونے کی ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے سماع اور اپنی کتاب کی تلاوت کے وقت اہل معرفت کے احوال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ (المائدہ) (اور جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں آنسوؤں سے اس لیے کہ پہچان لیا انہوں نے حق کو، کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو لکھ لے ہمیں (اسلام کی صداقت کی) گواہی دینے والوں میں)

پس یہ ان کی حالت کا بیان اور ان کے قول کی حکایت ہے۔ اور جو اس طرح نہیں تو وہ نہ ان کی ہدایت پر ہے اور نہ ان کے طریقہ پر۔ پس جو ان کا طریقہ اپنائے ہوئے ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس پر چلتا رہے اور جو کوئی مجنونوں کے احوال اختیار کرے اور جنون تو ان کی اخس ترین حالت ہے۔ اور جنون ایک فن ہے۔ مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ لوگوں نے حضور نبی مکرم ﷺ سے سوالات کیے یہاں تک کہ انہوں نے آپ سے پوچھنے میں اصرار کیا، پس آپ ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: سَلُونِی لا تسألونی عن شیٔ الا بینتہ لکم ما دمتُ فی مقامی ھذا(1) (تم مجھ سے پوچھو تم کسی شے کے بارے مجھ سے سوال نہیں کرو گے مگر میں اسے تمہارے لیے بیان کروں گا جب تک میں اپنے اس مقام میں ہوں)

پس جب لوگوں نے یہ سنا تو وہ خاموش ہو گئے اور آپ ﷺ کے سامنے کوئی بات پیش کرنے سے خوفزدہ ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس میں نے دائیں بائیں مڑ کر دیکھا تو ہر انسان اپنا سر اپنے کپڑے میں لپیٹ کر رو رہا تھا۔ اور آگے حدیث ذکر کی۔ اور ترمذی نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں انتہائی بلیغ وعظ ارشاد فرمایا، اس کے سبب آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور دل کانپ گئے۔ الحدیث

وعظنا رسول اللہ ﷺ موعظة بليغة ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب آپ نے یہ نہیں فرمایا: زَعقنا ولا رَقصنا ولا زَفنا ولا قُمنا (ہم چیخ و پکار کرنے لگے نہ یہ فرمایا کہ ہم رقص کرنے لگے، نہ یہ فرمایا کہ ہم اچھلنے کودنے لگے اور نہ یہ فرمایا کہ ہم اٹھ کھڑے ہوئے)

مسئلہ نمبر 3۔ قولہ تعالیٰ: وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا یعنی ان کی تصدیق میں اضافہ کر دیتی ہیں، کیونکہ اس ساعت اور وقت کا ایمان گزشتہ کل کے ایمان سے زیادہ ہوتا ہے، پس جس نے دوسری اور تیسری بار تصدیق کی تو یقیناً اس کی تصدیق سابقہ تصدیق سے زیادہ ہو گئی۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد آیات اور دلائل کی کثرت کے سبب انشراح صدر میں زیادتی ہے۔ اور یہ معنی سورۂ آل

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 2، صفحہ 263

عمران میں گزر چکا ہے: وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ، توکل کا معنی بھی سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے: الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ اس کا بیان سورۃ البقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا یعنی وہ جن کا ظاہر اور باطن ایمان میں برابر ہے۔ اور یہ اس پر دلیل ہے کہ ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: إن لكل حق حقيقة فما حقيقة إيمانك؟ الحدیث (بے شک ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟) کسی آدمی نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا: اے ابا سعید! کیا آپ مومن ہیں؟ تو آپ نے اسے فرمایا: ایمان دو قسم کے ہیں، پس اگر تو مجھ سے اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب، رسل علیہم السلام، جنت،، دوبارہ زندہ کیے جانے اور حساب پر ایمان کے بارے پوچھ رہا ہے تو میں یقیناً مومن ہوں۔ اور اگر تو مجھ سے اس قول باری تعالیٰ: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کے بارے پوچھ رہا ہے تو قسم بخدا میں نہیں جانتا میں ان میں سے ہوں یا نہیں۔

ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جو کوئی یہ کہے: أنا مؤمن بالله حقا (میں یقیناً اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے والا ہوں) تو اسے کہا جائے گا: حقیقت تو (کسی شی کی) آگاہی، اطلاع اور احاطہ کی طرف اشارہ کرتی ہے، پس اس کے مفقود ہونے کی وجہ سے اس بارے میں اس کا دعویٰ باطل ہے۔ اور اس سے وہ اسی معنی کا ارادہ کر رہے ہیں جو اہل سنت نے بیان کیا ہے: بے شک مومن حقیقی وہ ہے جس کے لیے جنت کا فیصلہ کر دیا گیا ہو، پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کی مخفی حکمت میں سے اسے نہیں جانتا تو اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حقیقۃً مومن (انہ مومن حقا) ہے صحیح نہیں ہے۔

كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَیْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝

''جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ اور بے شک اہل ایمان کا ایک گروہ (اس کو) ناپسند کرنے والا تھا''۔

قولہ تعالیٰ: كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَیْتِكَ بِالْحَقِّ زجاج نے کہا ہے: کاف محل نصب میں ہے، یعنی الأنفال ثابتة لك كما أخرجك ربك من بيتك بالحق (مال غنیمت آپ کے لیے ثابت ہے جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ) یعنی مثل إخراجك ربك من بيتك بالحق اور معنی یہ ہے: غنائم میں اپنا حکم جاری کر دیجئے اور جسے چاہیں بطور نفل دیجئے اگرچہ وہ ناپسند کریں، کیونکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت کہا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قیدی بنا کر لانے والے کے لیے کوئی شے مقرر فرمائی: بہت سے لوگ بغیر شے کے باقی رہ جائیں گے۔ (یعنی بہت سے لوگوں کے حصہ میں کچھ بھی نہیں آئے گا) پس کما میں کاف کا محل نصب ہوا جیسا کہ ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ اور فراء نے بھی یہی کہا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا ہے: یہ قسم ہے، یعنی والذی أخرجك (قسم ہے اس کی جس نے آپ کو نکالا) پس کاف بمعنی واؤ ہوا اور ما بمعنی الذی ہوا۔ اور سعید بن مسعدہ نے کہا ہے: اس کا معنی ہے اولئك هم المؤمنون حقا كما أخرجك ربك من بيتك بالحق فرمایا: اور بعض علماء نے کہا ہے: كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَیْتِكَ بِالْحَقِّ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا

ذَاتَ بَيْنِكُمْ (جس طرح آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ نکال لایا پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے درمیان معاملات کی اصلاح کرو)

اور عکرمہ نے کہا ہے: اس کا معنی ہے وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ، كَمَاۤ اَخْرَجَكَ (تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو جس طرح اس نے تمہیں نکالا ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ كَمَاۤ اَخْرَجَكَ قول باری تعالیٰ لَهُمْ دَرَجٰتٌ کے متعلق ہے اس کا معنی ہے: ان کے لیے اپنے رب کے پاس درجات ہیں اور بخشش ہے اور باعزت روزی ہے، یعنی مومنین کے لیے آخرت میں یہ وعدہ حق ہے جس طرح آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر سے اس حق کے ساتھ نکالا ہے جو اس کے لیے ثابت ہے۔ پس اس نے آپ کے ساتھ آپ کا وعدہ پورا کر دیا اور آپ کو آپ کے دشمن کے مقابلہ میں کامیاب فرمایا اور آپ کے لیے اسے پورا فرما دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا ہے: وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ (الانفال: 7) (اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کا ان دو گروہوں سے کہ وہ تمہارے لیے ہے) پس جس طرح اس نے یہ وعدہ دنیا میں پورا کر دیا ہے اسی طرح وہ تمہارے ساتھ اس وعدہ کو پورا فرما دے گا جو اس نے تمہارے ساتھ آخرت کے بارے کیا ہے۔ یہ قول حسن ہے، اسے نحاس نے ذکر کیا ہے اور اسے پسند کیا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ كَمَاۤ میں کاف کاف تشبیہ ہے اور اس کا مخرج مجازات کے طریقہ پر ہے، جیسا کہ کوئی کہنے والا اپنے غلام کو کہے: جس طرح میں نے تجھے اپنے دشمنوں کی طرف متوجہ کیا اور انہوں نے تجھے کمزور سمجھا اور تو نے مدد طلب کی تو میں نے تیری امداد کی اور تجھے قوی اور طاقتور بنا دیا اور تیری علت اور کمزوری دور کر دی، پس اب تو انہیں پکڑ لے اور اس کے ساتھ ان کا پیچھا کر۔ اور جس طرح میں نے تجھے لباس پہنایا اور تجھے کھانے پینے کی اشیاء مہیا کیں پس تو اس اس طرح عمل کر اور جس طرح میں نے تجھ پر احسان کیا تو تو اس پر میرا شکر ادا کر۔ پس ارشاد فرمایا: جس طرح آپ کا رب آپ کو آپ کے گھر سے حق کے ساتھ نکال لایا اور اس نے تمہیں غنودگی کے ساتھ ڈھانپ دیا تاکہ یہ باعث تسکین ہو اس کی طرف سے، یعنی اس کے ساتھ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو راحت حاصل ہو۔ اور اس نے آسمان سے پانی اتارا تاکہ اس سے تمہیں پاک کر دے اور اس نے تم پر آسمان سے فرشتے نازل فرمائے جو پے در پے آنے والے ہیں، سو تم مارو (ان کی) گردنوں کے اوپر اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر، گویا وہ یہ فرما رہا ہے: تحقیق میں نے تمہاری علل دور کر دی ہیں اور ملائکہ کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی ہے پس تم ان کے ان مواضع پر مارو، درآنحالیکہ یہ مقتل ہے، تاکہ تم حق کو حق قرار دینے اور باطل کو باطل قرار دینے میں اللہ تعالیٰ کی مراد کو پہنچ سکو۔ واللہ اعلم۔

وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ یعنی ایک گروہ مکہ کو چھوڑنا اور اپنے اموال اور گھروں کو چھوڑنا ناپسند کرنے والا تھا۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

''جھگڑ رہے تھے آپ سے سچی بات میں اس کے بعد کہ وہ واضح ہو چکی تھی گویا وہ ہانکے جا رہے تھے موت کی طرف درآنحالیکہ وہ (موت کو) دیکھ رہے ہیں''۔

قولہ تعالیٰ: یُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ ان کا جھگڑا، ان کا یہ قول تھا کہ جب آپ ﷺ نے انہیں (ابوسفیان کے تجارتی) قافلہ کے مقابلہ کی دعوت دی اور پھر وہ قافلہ نکلنے میں کامیاب ہوگیا اور پھر آپ نے انہیں جنگ لڑنے کا حکم دیا اور ان کے پاس کوئی زیادہ ساز و سامان نہ تھا تو یہ حکم ان پر گراں گزرا اور انہوں نے کہا: اگر آپ ہمیں جنگ لڑنے کی خبر دیتے تو ہم یقیناً تیاری کے ساتھ آتے اور فِي الْحَقِّ سے مراد فی القتال (جنگ کے بارے میں) ہے۔ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ یعنی ان کے لیے یہ واضح ہونے کے بعد کہ آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی شی کے بارے کوئی حکم نہیں دیتے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: ان کے لیے یہ بات واضح ہونے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قافلے یا اہل مکہ کے مقابلے میں کامیابی کا وعدہ فرما رکھا ہے اور جب قافلہ چلا گیا تو پھر اہل مکہ سے مقابلہ ضروری ہے اور انہیں کے مقابلہ میں کامیابی بھی ہے۔ پس کلام کا مفہوم ان کے مجادلہ اور جھگڑنے کا انکار کرنا ہے۔ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ قوم کی ملاقات کو ناپسندیدگی کا اظہار ہے (یعنی ان کے لیے جنگ میں واقع ہونا گویا موت کو دعوت دینا ہے)

وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ یعنی وہ جانتے ہیں کہ موت ان پر واقع ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ (النباء: 40) یعنی اس میں ینظر بمعنی یعلم ہے۔

وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ۝

''اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کا ان دو گروہوں سے کہ وہ تمہارے لیے ہے اور تم پسند کرتے تھے کہ نہتہ گروہ تمہارے حصے میں آئے اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو حق کر دے اپنے ارشادات سے اور کاٹ دے کافروں کی جڑ، تاکہ ثابت کر دے حق کو اور مٹا دے باطل کو اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) عادی مجرم''۔

قولہ تعالیٰ: وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ اس میں اِحْدَى محل نصب میں مفعول ثانی ہے۔ اَنَّهَا لَكُمْ یہ بھی احدی سے بدل ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ وَ تَوَدُّوْنَ یعنی اور تم پسند کرتے ہو۔ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ۔ ابوعبیدہ نے کہا ہے: غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ سے مراد وہ ہے جس کے پاس ہتھیار نہ ہوں۔ اور الشَّوْكَةِ کا معنی ہتھیار ہے۔ اور الشوك سے مراد وہ بوٹی ہے جس کے کانٹے ہوں۔ اور اسی سے رجل شائك السلاح (یعنی تیز دھار ہتھیار رکھنے والا آدمی) ہے، پھر اس میں قلب کر کے کہا جاتا ہے: شاکی السلاح مراد یہ ہے کہ تم پسند کرتے ہو کہ تم اس گروہ کے مقابلہ میں کامیاب ہو جاؤ جس کے پاس نہ کوئی ہتھیار ہیں اور نہ اس میں جنگ ہے۔ یہ زجاج سے منقول ہے۔

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ یعنی (اللہ چاہتا تھا) کہ وہ اسلام کو غالب کر دے اور حق ہمیشہ حق ہی ہوتا ہے، لیکن اس کا اظہار (اور غلبہ) اس کو اس حیثیت سے ثابت کرنا ہے کہ اس کی باطل کے ساتھ کوئی مشابہت ظاہر نہ ہو۔ بِكَلِمٰتِهٖ سے مراد بوعدہ ہے یعنی اپنے وعدہ کے ساتھ، کیونکہ اس نے اس بارے میں اپنے نبی مکرم ﷺ سے سورۃ الدخان میں وعدہ

فرمایا ہے۔ پس ارشاد فرمایا: یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ (الدخان) (جس روز ہم انہیں پوری شدت سے پکڑیں گے (اس روز) ہم (ان سے) بدلہ لے لیں گے) یعنی ہم ابوجہل اور اس کے ساتھیوں سے انتقام لینے والے ہیں اور مزید فرمایا: لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الفتح: 28) (تاکہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بکلماتہ کا معنی بامرہ یعنی تمہیں اپنے اس حکم کے ساتھ کہ تم ان کے ساتھ جہاد کرو۔ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ یعنی انہیں ہلاکت کے سبب نیست و نابود کر دے۔ لِيُحِقَّ الْحَقَّ یعنی تاکہ وہ دین اسلام کو غلبہ عطا فرمائے اور اسے تقویت دے۔

وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ یعنی اور وہ کفر کو مٹا دے اور اسے باطل کرنے سے مراد اسے معدوم کرنا ہے جیسا کہ حق کو حق قرار دینے کا معنی اسے ظاہر کرنا اور غالب کرنا ہے بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (الانبیاء: 18) (بلکہ ہم تو چوٹ لگاتے ہیں حق سے باطل پر پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکایک ناپید ہو جاتا ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (اگرچہ عادی مجرم اسے ناپسند ہی کریں)

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

''یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے تمہاری فریاد (اور فرمایا) یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔ اور نہیں بنایا فرشتوں کے نزول کو اللہ نے مگر ایک خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل۔ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے حکمت والا ہے''۔

قولہ تعالیٰ: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ الاستغاثة کا معنی مدد اور نصرت طلب کرنا ہے۔ غوث الرجل (اس نے آدمی کی مدد کی) کہا: واغوثاہ (اے مدد کرنے والے) اور اس سے اسم غوث، غواث اور غُواث ہیں۔ اور استغاثنی فلانٌ فأغثته (فلاں نے مجھ سے مدد طلب کی تو میں نے اس کی مدد کی) اس کا اسم الغیاث ہے، یہ جوہری سے منقول ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے آپ نے بیان فرمایا: جب غزوہ بدر کا دن تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تین سو سترہ افراد تھے۔ پس حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ شریف کی طرف متوجہ ہوئے، پھر اپنے ہاتھوں کو پھیلایا اور اپنے کریم رب کی بارگاہ میں التجاء کرنے لگے: ''اے اللہ! میرے لیے وہ وعدہ پورا فرما جو تو نے میرے ساتھ فرمایا ہے (1)، اے اللہ! تو مجھے وہ عطا فرما جو تو نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ! اگر اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 93

جائے گی''۔ پس آپ ﷺ اپنے دست مبارک پھیلا کر اور قبلہ رو ہو کر مسلسل اپنے رب کریم کی بارگاہ میں التجا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے کندھوں سے آپ کی چادر گر گئی، پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، انہوں نے آپ کی چادر مبارک اٹھائی اور آپ کے کندھوں پر ڈال دی، پھر پیچھے کی جانب سے آپ کو تھام لیا اور عرض کی: یا نبی اللہ! ﷺ آپ کا اپنے رب کی بارگاہ میں مناجات کرنا اور التجا کرنا آپ کے لیے کافی ہے، یقیناً وہ عنقریب آپ کو عطا فرمائے گا جس کے بارے اس نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ پس اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ آپ ﷺ کی امداد فرمائی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آگے پوری حدیث ذکر کی (1)۔

مُرْدِفِيْنَ دال کے فتحہ کے ساتھ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت ہے۔ اور باقیوں نے دال کے کسرہ کے ساتھ اسم فاعل کا صیغہ قرار دیا ہے بمعنی متتابعین (یعنی لگاتار، پے در پے) ہے، یکے بعد دیگرے جماعت آتی رہی اور یہ دکھائی دینے میں زیادہ خوفناک ہے۔ اور دال کے فتحہ کے ساتھ مُرْدَفِيْنَ مفعول مالم یسم فاعلہ کی بنا پر ہے، کیونکہ وہ لوگ جنہوں نے بدر کے دن جنگ لڑی ان کے لیے ایک ہزار فرشتے پے در پے لائے گئے، یعنی کفار کے مقابلے میں ان کی مدد کے لیے ایک ہزار فرشتے ان کی طرف نازل کیے گئے۔ پس مردفین دال کے فتحہ کے ساتھ الف (ہزار) کی صفت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مُمِدُّكُمْ میں ضمیر منصوب سے حال ہے (تقدیر کلام اس طرح ہوگی) ممدکم فی حالِ إردافکم بألف من الملائکۃ (میں تمہاری مدد کرنے والا ہوں اس حال میں کہ ایک ہزار فرشتے پے در پے تمہارے پاس آنے والے ہیں) اور یہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اور ابو عبیدہ نے بیان کیا ہے کہ رَدِفَنی اور أَرْدَفَنی دونوں کا معنی ایک ہے۔ اور ابو عبید نے أردف بمعنی رَدِف ہونے کا انکار کیا ہے۔

انہوں نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی وجہ سے یہ کہا ہے: تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ (النازعات) یہاں المردفۃ نہیں کہا۔ نحاس اور مکی وغیرہما نے کہا ہے: دال کو مکسور پڑھنا اولی ہے، کیونکہ اہل تاویل اسی قراءت پر تفسیر بیان کرتے ہیں، یعنی أردف بعضهم بعضا (ان میں سے بعض بعض کے ردیف بنے، پیچھے آئے) اس لیے کہ اس میں فتحہ کا معنی موجود ہے جیسا کہ ابو عبیدہ نے بیان کیا ہے۔ اور اس لیے کہ اکثر قراء اسی پر ہیں۔ سیبویہ نے کہا ہے: بعض نے اسے مُرَدِّفِين را کے فتحہ اور دال کے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور بعض نے مُرِدِّفِين را کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے را کے ضمہ کے ساتھ مُرُدِّفِين پڑھا ہے۔ ان تینوں قراءتوں میں دال مکسور اور مشدد ہے۔ پس سیبویہ کے نزدیک یہ پہلی قراءت میں یہ اصل میں مرتدفین ہے، پھر تا کو دال میں ادغام کر دیا گیا ہے اور اسی کی حرکت را کو دے دی گئی ہے تاکہ دو ساکن جمع نہ ہو جائیں۔ اور دوسری قراءت میں التقائے ساکنین کی وجہ سے را کو کسرہ دیا گیا ہے۔ اور تیسری میں میم کے ضمہ کی اتباع کرتے ہوئے را کو ضمہ دیا گیا ہے، جیسا کہ آپ کہتے ہیں: رُدِّ وَرُدُّ وَرُدَّ یا ھذا۔ جعفر بن محمد اور عاصم جحدری نے بآلُفٍ پڑھا ہے یہ الف کی جمع ہے، جیسا کہ

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 208

فلس کی جمع افلس ہے۔ اوران دونوں سے بالف بھی منقول ہے۔ اور ملائکہ کے نازل ہونے، ان کے نشان لگانے اوران کے قتال کرنے کا ذکر سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ اور قول باری تعالیٰ: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی (آل عمران:126) کی بحث بھی اس میں پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اور مراد امداد ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ مراد ارداف (ردیف بنانا، پے درپے بھیجنا ہو۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آل عمران:126) اس میں اس پر متنبہ کیا ہے کہ مدد اور نصرت اللہ تعالیٰ عزوجل کی طرف سے تھی نہ کہ ملائکہ کی طرف سے، یعنی اگروہ آپ کی مدد نہ فرماتا تو فرشتوں کی کثیر تعداد کے ساتھ بھی نفع حاصل نہ ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد و نصرت تلوار کے ساتھ بھی ہوتی ہے اور کبھی حجت و دلیل کے ساتھ ہوتی ہے۔

اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

''یاد کرو جب اللہ نے ڈھانپ دیا تمہیں غنودگی سے تاکہ باعث تسکین ہو اس کی طرف سے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کردے تمہیں اس سے اور دور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جمادے اس سے تمہارے قدموں کو''۔

قولہ تعالیٰ: اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اس میں دو مفعول ہیں۔ اور یہ اہل مدینہ کی قراءت ہے اور یہی اچھی ہے، کیونکہ اس میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس کا ذکر پہلے وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آل عمران:126) کے تحت گزر چکا ہے۔ اوراس لیے بھی کہ اس کے بعد وَیُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ ہے اوراس میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ پس اس طرح اغشاء کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے گی تاکہ کلام باہم متوافق اور متشاکل ہو جائے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے یغشاکم النعاس پڑھا ہے یعنی فعل کی نسبت نعاس کی طرف کی ہے۔ اس کی دلیل اَمَنَةً نُّعَاسًا یَّغْشٰی (آل عمران: 154) ہے اس کی قراءت کے مطابق جس نے یا یا تا کے ساتھ قراءت کی ہے۔ پس انہوں نے فعل کی اضافت نعاس کی طرف کی ہے یا اَمَنَةً کی طرف۔ اور الأمنة هی نعاس (غنودگی) ہے، پس یہ خبر دی کہ غنودگی وہی ہے جو حق کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور باقیوں نے یغشیکم غین کے یا کے ضمہ فتحہ اور شین کی شد کے ساتھ قراءت کی ہے اور النعاس حضرت نافع کی قراءت کے مطابق نصب کے ساتھ ہے، دو لغتیں غشی اور اغشی کے معنی کے مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَاَغْشَیْنٰهُمْ (یاسین:9) اور مزید فرمایا: فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ (النجم) اور مزید فرمایا: كَاَنَّمَاۤ اُغْشِیَتْ وُجُوْهُهُمْ (یونس:27) مکی نے کہا ہے: پسندیدہ قراءت یا کے ضمہ، تشدید اور نعاس کی نصب ہے، کیونکہ اس کے بعد أمنة منه ہے اور منه میں ہاء ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، پس وہی وہ ہے جو لوگوں کو غنودگی کے ساتھ ڈھانپ دیتا ہے۔ اوراس لیے بھی کہ اکثر قراء اسی پر ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ أمنة من العدو ہے (یعنی ہا ضمیر کا مرجع عدو ہیں)

اور أمنة مفعول من اجلہ ہے یا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: أمن أمنة وأمنا وأمانا یہ سب برابر ہیں۔ اور نعاس (غنودگی اور نیند) اس امن والے کی حالت ہے جسے کوئی خوف نہیں ہوتا۔ اور یہ غنودگی اس رات میں طاری ہوئی جس کی صبح کو جنگ تھی،

پس یہ نیند بھی عجیب تھی کہ اس کے باوجود کہ ان کے سامنے ایک اہم ترین اور مشکل میں ڈال دینے والا امر تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو مربوط اور پرسکون کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ہم میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے سوا بدر کے دن کوئی گھوڑ سوار نہ تھا، وہ ابلق گھوڑے پر سوار تھے اور میں نے دیکھا کہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ہر کوئی سو رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درخت کے نیچے نماز پڑھتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی، اسے بیہقی نے ذکر کیا ہے۔

ماوردی (1) نے کہا ہے: اس رات نیند کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے انہیں راحت و سکون پہنچانے کی دو وجہ تھیں: ان میں ایک یہ تھی کہ انہیں صبح کی جنگ کے لیے راحت اور سکون پہنچا کر طاقتور اور قوی بنانا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے دلوں سے رعب زائل کر کے انہیں امن اور سکون پہنچانا تھا، جیسے کہا جاتا ہے: امن سلا دیتا ہے اور خوف جگا دیتا ہے۔ الأمنُ مُنِيمٌ والخوف مُسْهِرٌ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اللہ کریم نے انہیں دو لشکروں کے ملنے کی حالت میں (مراد حالت جنگ) انہیں ڈھانپ دیا۔ اور اس کی مثل گفتگو غزوہ احد کے بیان میں سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝ ظاہر قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ غنودگی بارش سے پہلے طاری ہوئی۔ اور ابن ابی نجیح نے کہا ہے: بارش نیند سے پہلے ہوئی۔ زجاج نے بیان کیا ہے (2) کہ کفار بدر کے دن مومنین سے پہلے بدر کے پانی کے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے وہیں پڑاؤ ڈالا۔ اور مومنین اس حال میں باقی رہ گئے کہ ان کے لیے کوئی پانی نہ تھا، پس ان کے نفوس گھبرا گئے اور وہ پیاس محسوس کرنے لگے اور جنبی ہوئے اور وہ اسی طرح نمازیں پڑھنے لگے۔ تو بعض نے اپنے دلوں میں شیطان کے وسوسے ڈالنے کے سبب کہا: ہم گمان کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اور ہم میں اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں اور ہماری حالت یہ ہے اور مشرکین پانی پر قابض ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے سترہ رمضان المبارک غزوہ بدر کی رات اتنی بارش برسائی یہاں تک کہ وادیاں بھر کر بہنے لگیں۔ اور انہوں نے جی بھر کر پانی پیا، غسل اور طہارت کا اہتمام کیا اور اپنے اونٹوں کو خوب سیراب کیا۔ اور ان کے اور مشرکین کے درمیان جو ریت اور دلدل تھی وہ خوب جم گئی، یہاں تک کہ جنگ کے وقت اس میں مسلمانوں کے پاؤں خوب جمے رہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک یہ احوال ان کے بدر پہنچنے سے پہلے تھے۔ اور یہی اصح ہے۔

اور یہی وہ ہے جسے ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں اور دوسروں نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور یہ اس کا خلاصہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوسفیان کے بارے خبر دی گئی کہ وہ شام سے آ رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ان کی طرف ابھارا اور فرمایا: ''یہ قریش کا قافلہ ہے اس میں وافر اموال ہیں پس تم ان کی طرف نکلو شاید اللہ تعالیٰ یہ اموال تمہیں بطور غنیمت عطا فرما دے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک تھوڑی سی جماعت اٹھی اور قوم نے بوجھ محسوس کیا اور نکلنا ناپسند کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت تیزی کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ اس کی طرف متوجہ ہوئے جس نے کوئی عذر پیش کیا اور نہ اس کا انتظار کیا جس کا اونٹ غائب تھا، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین و انصار میں سے

1۔ تفسیر ماوردی، صفحہ 299　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 500

تین سو تیرہ اصحاب کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ اور بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: بدر کے دن مہاجرین کی تعداد اسی سے کچھ زائد تھی۔ اور انصار کی تعداد دو سو چالیس سے کچھ اوپر تھی۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ہی سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ہم گفتگو کرتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی تعداد تین سو دس سے کچھ زائد تھی اور یہ طالوت کے ان ساتھیوں کی تعداد کے برابر تھی جنہوں نے اس کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا تھا اور اس کے ساتھ سوائے مومن کے کسی نے عبور نہیں کیا تھا۔ اور علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا: پس ہم بدر کی طرف نکلے، جب ہم نے ایک یا دو دن کا سفر کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم ارشاد فرمایا کہ ہم اپنی تعداد شمار کریں چنانچہ ہم نے ایسا کیا تو ہم تین سو تیرہ افراد تھے، ہم نے اپنی تعداد کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا تو آپ اس پر بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: "یہ اصحاب طالوت کی تعداد تھی" (1)۔

ابن اسحاق نے کہا ہے: ان تمام لوگوں کا گمان یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ نہیں لڑیں گے پس انہوں نے زیادہ تیاری نہ کی۔ اور ابو سفیان جس وقت حجاز کے قریب پہنچا تو وہ خبریں لینے لگا اور جس سوار سے ملاقات ہوتی اس سے حالات کے بارے پوچھتا، کیونکہ اسے لوگوں کے مال پر خوف لاحق ہو گیا تھا، یہاں تک کہ بعض سواروں سے اسے یہ خبر پہنچی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لیے لوگوں کو جمع کیا ہے (اور جنگ پر ابھارا ہے) تو وہ اس سے ڈر گیا اور اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت پر لیا اور اسے مکہ بھیجا اور اسے یہ حکم دیا کہ وہ قریش کے پاس جائے اور انہیں اپنے اموال (کی حفاظت) کے لیے جمع کرے اور انہیں یہ خبر دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ اس کے لیے رکاوٹ ہیں۔ پس ضمضم نے ایسا ہی کیا۔ تو اہل مکہ ایک ہزار یا اسی طرح کی تعداد میں نکلے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ نکلے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے بارے خبر موصول ہوئی کہ وہ اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے نکل پڑے ہیں۔ تب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے مشورہ کیا، پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بہت اچھی گفتگو کی، پھر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اٹھے اور آپ نے بھی انتہائی خوبصورت گفتگو کی، پھر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ وہ کیجئے جس کے بارے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا ہے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، قسم بخدا! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جیسے بنی اسرائیل نے کہا: فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ۝ (المائدہ) (پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے)

ولکن اذهب انت و ربك فقاتلا إنا معكم مقاتلون (بلکہ آپ چلیں اور آپ کا رب اور دونوں جنگ لڑیں بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ مل کر جنگ لڑیں گے) اور قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپ برک الغماد یعنی شہر حبشہ تک چلیں، ہم وہاں تک تمہاری معیت میں لڑیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش ہوئے اور انہیں دعا خیر سے نوازا۔ پھر ارشاد فرمایا: "اے لوگو! مجھے مشورہ دو"۔ آپ کی مراد انصار تھے۔ اس لیے کہ وہی لوگ زیادہ تعداد میں تھے اور انہوں نے جس

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 2، صفحہ 564

وقت عقبہ پر آپ کی بیعت کی تھی تو عرض کی: یارسول اللہ! ﷺ بے شک ہم آپ کی حفاظت اور ذمہ سے بری ہیں یہاں تک کہ آپ ہمارے شہر میں تشریف لے آئیں، پس جب آپ ہمارے پاس تشریف لے آئیں گے تو آپ ہماری ذمہ داری میں ہوں گے۔ ہم آپ کی ہر اس شے سے حفاظت کریں گے جس سے ہم اپنی، اپنی اولاد، اور اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ یہ خوف محسوس فرما رہے تھے کہ انصار یہ رائے نہ رکھتے ہوں کہ ان پر آپ ﷺ کی مدد و نصرت کرنا صرف مدینہ طیبہ میں لازم ہے اور ان پر یہ لازم نہیں کہ آپ انہیں ساتھ لے کر ان کے شہروں سے باہر دشمن کی طرف چل پڑیں۔ پس جب رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تو ان میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس دن ان دونوں نے گفتگو کی ہو۔ عرض کی: یارسول اللہ! ﷺ کیا آپ ہم گروہ انصار کا ارادہ فرما رہے ہیں؟ تو حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ تو انہوں نے عرض کی: بے شک ہم آپ ﷺ کے ساتھ ایمان لائے اور ہم نے آپ کی اتباع اور پیروی کی، آپ وہ کیجئے جس کے بارے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں اس سمندر تک لے چلیں اور پھر آپ اس میں کود جائیں تو یقیناً ہم آپ کے ساتھ اس میں کود جائیں گے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امضوا علی برکة الله فکأنی أنظر إلی مصارع القوم (تم اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ چلو گویا میں قوم کے گرنے کی جگہوں کی طرف دیکھ رہا ہوں)

پس رسول اللہ ﷺ چل پڑے اور بدر کے پانی تک قریش سے پہلے جا پہنچے۔ اور قریش کو پہلے پہنچنے سے اس موسلا دھار بارش نے روکا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل فرمائی اور مسلمانوں پر صرف اتنی مقدار میں برسی جس نے ان کے لیے وادی کی نرم ریت کو سخت اور مضبوط کر دیا اور چلنے میں ان کی معاون ثابت ہوئی۔ الدھس سے مراد ایسی نرم ریت ہے جس میں پاؤں دھنس جاتے ہوں۔ آپ ﷺ بدر کے پانیوں میں سے مدینہ طیبہ کی جانب قریب تر پانی کے پاس اتر پڑے۔ تو حضرت حباب بن منذر بن عمرو بن جموح نے اس کے سوا کی طرف اشارہ کیا اور آپ سے عرض کی: یارسول اللہ! ﷺ اس منزل کے بارے آپ کی کیا رائے ہے، کیا یہ ایسی منزل ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اترنے کا حکم فرمایا اور ہمارے لیے اس جگہ سے آگے پیچھے ہونا جائز نہیں یا پھر یہ رائے اور جنگی چال ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''(نہیں) بلکہ یہ رائے، جنگ اور تدبیر ہے''۔ تو انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ، بلاشبہ یہ آپ کے لیے اترنے کی جگہ مناسب اور موزوں نہیں ہے، پس ہمیں اٹھا کر اس قوم کے قریب تر پانی کے پاس لے چلیں ہم وہاں پڑاؤ ڈالیں گے اور اس کے پیچھے جو کنوئیں ہیں ہم انہیں بند کر دیں گے، پھر ہم وہاں حوض بنالیں گے اور اسے پانی سے بھر دیں گے نتیجۃً ہم پانی پئیں گے اور وہ نہیں پی سکیں گے۔ حضور نبی رحمت ﷺ نے ان کی اس رائے کو مستحسن قرار دیا اور اسی کے مطابق عمل کیا۔ پھر دشمن سے مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ اور مسلمانوں کی مدد اور نصرت فرمائی، آپ نے ستر مشرکین کو قتل کیا اور ان میں سے ستر کو قیدی بنالیا اور ان سے مومنین کا انتقام لیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول معظم ﷺ کے سینہ مبارک اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں کو ان کے غیظ و غضب سے شفا عطا فرمائی۔ (اور انہیں ٹھنڈا کیا)

اور اسی بارے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :۔

عَرفتُ دیار زینب بالکثِیب	کخط الوحیِ فی الورَق القشِیبِ

میں نے ٹیلے پر زینب کے گھر کو اس طرح پہچان لیا جس طرح بوسیدہ کاغذ پر تحریر کے خط کو پہچان لیا جاتا ہے۔

تداولُها الریاح وکلّ جَوْنٍ	من الوَسْمِیّ منهمِرٍ سَکُوبِ

ان گھروں پر ہوائیں چلتی ہیں اور موسم بہار کا ہر سیاہ بادل لگاتار اور موسلا دھار برستا ہے۔

فأمسی رُبْعها خلقا وأمست	یبابا بعد ساکنها الحبیب

پس ان کے نشان بوسیدہ ہو گئے اور وہ اجڑے پڑے ہیں جب کہ پہلے کبھی وہاں محبوب رہتا تھا۔

فدع عنك التذکّر کلّ یوم	ورُدّ حرارة الصدر الکئیب

پس تو ہر روز ان کو یاد کرنا چھوڑ دے اور اپنے غمزدہ سینے کی حرارت کو ختم کر دے۔

وخبّر بالذی لا عیب فیه	بِصدق غیرِ إخبارِ الکذوبِ

اور ان جھوٹے قصوں کی اخبار کو چھوڑ کر اس سچی بات کی خبر دے جس کے سنانے میں کوئی حرج نہیں۔

بما صنع الإله غداة بدرٍ	لنا فی المشرکین من النصیب

سنا کہ خداوند (مقتدر) نے ہمیں بدر کے دن مشرکین پر کامیابی عطا فرمائی

غداة کأن جمعهم حِراءٌ	بدت أرکانه جُنْحَ الغروب

وہ دن جب ان کا گروہ کوہ حرا کی طرح معلوم ہوتا تھا لیکن ان کی بنیادیں زوال کے وقت جھک گئیں۔

فلاقیناهُم منّا بجمع	کأسد الغاب مردانٍ و شِیبِ

ہم نے ایک ایسی جماعت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جس کے بوڑھے اور جوان سب جنگل کے شیر تھے۔

أمام محمد قد وازرُوه	علی الأعداء فی لَفْح الحروب

وہ جماعت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھی جس نے جنگ کی لپیٹ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔

بأیدیهم صوارِم مرهفات	وکلّ مجربٍ خاظِی الکعُوبِ

ان کے ہاتھوں میں پتلی اور تیز دھار والی تلواریں اور موٹی موٹی گرہوں والے آزمودہ نیزے تھے۔

بنو الأوسِ الغطارِفُ وازرتها	بنو النجار فی الدِّین الصلیب

وہ سرداران بنو اوس تھے جنہیں دین محکم میں بنو نجار نے مدد دی تھی۔

فغادرْنا أبا جهل صرِیعا	وعتبةَ قد ترکنا بالجَبُوب

پس ہم نے ابو جہل کو پچھاڑا ہوا اور عتبہ کو سخت زمین پر پڑا ہوا چھوڑا۔

وشیبةَ قد ترکنا فی رجال	ذوِی حسب إذا نُسِبوا حسیبِ

اور شیبہ کو ایسے لوگوں میں چھوڑا جن کے نسب جب بیان کیے جائیں تو وہ بڑے نسب والے نکلیں۔

ینادیھم رسول اللہ لما قذفناھم کباکِبَ فی القلیب

جب ہم نے انہیں جتھوں کی صورت میں کنوئیں میں ڈالا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ندا دے رہے تھے۔

ألم تجِدوا کلامی کان حقا وأمراللہ یأخذ بالقلوب

کیا تم نے نہیں پایا کہ میری بات سچ تھی اور اللہ کا حکم دلوں کو (بھی) پکڑ لیتا ہے۔

فما نطقوا ولو نطقوا لقالوا أصبتَ وکنتَ ذا رأی مصیب

وہ کچھ نہ بولے اور اگر وہ بولتے تو کہتے کہ آپ نے سچ کہا تھا اور آپ ہی صحیح رائے والے تھے۔

اور یہاں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے: مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: تم میں اہل بدر کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "وہ ہم میں انتہائی عظیم اور اچھے لوگ ہیں"۔ تو انہوں نے کہا: "بلاشبہ وہ ہمارے درمیان بھی اسی طرح ہیں" (1)۔ تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ مخلوقات کا شرف وعظمت ان کی ذاتوں کے سبب نہیں ہوتا، بلکہ ان کے افعال کے سبب ہوتا ہے۔ پس ملائکہ کے افعال شریفہ دائمی تسبیح وتحمید پر مواظبت اختیار کرنا ہے۔ اور ہمارے افعال کا شرف اطاعت وبندگی میں اخلاص پیدا کرنے کے ساتھ ہے۔ اور طاعات کی افضیلت شریعت کے انہیں فضیلت دینے کے ساتھ ہے اور ان میں سب سے افضل جہاد ہے اور افضل ترین جہاد یوم بدر ہے، کیونکہ اسلام کی بنیاد (اور مضبوطی) اسی پر ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ کی راہ روکنے کے لیے نکلنا اس پر دلیل ہے کہ مال غنیمت کے حصول کے لیے لشکر لے کر نکلنا جائز ہے، کیونکہ یہ کسب حلال ہے۔ اور یہ اسے رد کرتا ہے جسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ قرار دیا ہے، جب کہ انہوں نے کہا ہے: یہ جنگ دنیا کے حصول کے لیے ہے۔ اور یہ جو روایت ہے کہ جس نے اس لیے قتال کیا تا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والا ہے اور یہ اس کے سوا ہے جو مال غنیمت کے حصول کے لیے قتال کرتا ہے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب اس کا قصد اور ارادہ صرف یہی ہو اور اس میں دین کا کوئی حصہ نہ ہو۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے انہوں نے فرمایا: جب حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے فارغ ہوئے تو انہوں (صحابہ کرام) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: آپ پر قافلے کو پکڑنا لازم ہے، اس کے سوا کوئی شے نہیں۔ تو عباس نے انہیں ندا دی اور وہ اس وقت قیدیوں میں تھے۔ "ایسا نہیں ہو سکتا"۔ تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: "وہ کیوں"؟ انہوں نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ وعدہ فرمایا، تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ عطا فرما دیا جس کا اس نے آپ سے وعدہ فرمایا۔ تو حضور نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نے سچ کہا ہے" (2) اور حضرت عباس کو اس کا علم حضور نبی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، جلد 2، صفحہ 387 2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 2، صفحہ 569

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی باتوں سے اور جو بدر کا معاملہ ہوا اس سے ہوا۔ پس انہوں نے اسے دوران گفتگو سنا۔

مسئلہ نمبر 3۔ مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین دن تک مقتولین بدر کو چھوڑے رکھا، پھر آپ ﷺ ان کے قریب کھڑے ہوئے اور انہیں ندا دی اور فرمایا: ''اے ابا جہل بن ہشام، اے امیہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ کیا تم نے اسے سچ نہیں پایا جو تمہارے رب نے وعدہ کیا بلاشبہ میں نے تو اسے سچ پا لیا ہے جو میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا الیس قد وجدتم ما وعد ربکم حقا فانی قد وجدتُ ما وعدنِی ربّی حقًا (1) پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی مکرم ﷺ کا یہ قول سنا تو عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ وہ کیسے سن سکتے ہیں اور وہ کیونکر جواب دے سکتے ہیں حالانکہ وہ مردار ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ ما أنتم بأسمع لما أقول منھم ولکنھم لا یقدرون أن یجیبوا (قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! میرا قول تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے)

بعد ازاں آپ ﷺ نے ان کے بارے حکم دیا پس انہیں گھسیٹا گیا اور انہیں بدر کے کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔ جیفوا جیم اور یا کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کا معنی ہے وہ بدبودار ہو گئے اور مردار بن گئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول: یسمعون کا اطلاق اس پر بعید ہے جس کے مطابق عادت جاریہ ہے۔ تو حضور نبی مکرم ﷺ نے انہیں جواب دیا کہ وہ زندوں کے سننے کی طرح سن رہے ہیں۔ اور اس میں اس پر دلیل ہے کہ موت نہ عدم محض ہے اور نہ صرف فنا ہے، بلکہ یہ تو روح کے تعلق کا بدن سے منقطع ہونا اور اس سے جدا ہونا ہے اور یہ ان دونوں کے درمیان حائل ہونے والی ہے۔ اور حالت کا تبدیل ہونا اور ایک دار سے دوسرے دار کی طرف منتقل ہونا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: إن المیت إذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ أصحابہ أنہ یسمع قرع نعالھم، الحدیث (2) (بے شک میت کو جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے واپس آتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے) أخرجہ الصحیح۔

قولہ تعالیٰ: وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ اس میں بہ میں ضمیر اس پانی کی طرف لوٹ رہی ہے جس نے وادی کی نرم ریت کو سخت کر دیا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ ربط القلوب (دلوں کو مضبوط کرنا) کی طرف لوٹ رہی ہے۔ پس تثبیت الأقدام سے مراد میدان جنگ میں مدد و نصرت کا حاصل ہونا ہے۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾

''یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو، میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب سو تم مارو (ان کی) گردنوں کے اوپر اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر''۔

1۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ انفال، جلد 2، صفحہ 134

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، جلد 2، صفحہ 386

قولہ تعالیٰ: اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ۔ اذ میں عامل یُثَبِّتَ ہے یعنی یُثَبِّتُ بِهِ الْاَقْدَامَ ذات وقت (وہ اس وقت اس کے ساتھ قدموں کو جما دے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عامل لیربط ہے ای ولیربط إذ یوحی (اور تا کہ مضبوط کردے (دلوں کو) جب اس نے وحی فرمائی) اور تقدیر عبارت ہوگی: أذکر (یاد کرو) اور اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ محل نصب میں ہے اور معنی ہے بانی معکم یعنی مدد و نصرت کے ساتھ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ معکم عین کے فتحہ کے ساتھ ظرف ہے اور جنہوں نے اسے ساکن پڑھا ہے ان کے نزدیک یہ حرف ہے۔ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی تم انہیں بشارت دو مدد و نصرت کی یا ان کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کی یا بغیر جنگ کے ان کے ساتھ حاضر رہنے کی، پس فرشتہ صف کے آگے آدمی کی صورت میں چلتا رہا اور یہ کہتا رہا: چلو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا معاون و مددگار ہے۔ اور مسلمان یہ گمان کرتے رہے کہ وہ ان میں سے ہے۔ تحقیق آل عمران میں یہ گزر چکا ہے کہ ملائکہ نے اس دن قتال کیا۔ پس انہوں نے کئی سروں کو گردنوں سے الگ ہوتے دیکھا اس کے بغیر کہ کوئی ظاہر مارنے والے انہیں ضرب لگاتے، بعض نے کہنے والے کو سنا کہ اس کا یہ قول سنائی دے رہا ہے لیکن اس کا سراپا نظر نہیں آرہا۔ أقدم حیزوم (حیزوم آگے بڑھو) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس تثبیت (ثابت قدمی) سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مومنین کی مدد کے لیے فرشتوں کے نازل ہونے کا ذکر کرنا ہے۔

قولہ تعالیٰ: سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ اس کا بیان پہلے سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ یہ امر (حکم) ملائکہ کو ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ امر مومنین کے لیے ہے۔ یعنی اضربوا الأعناق (تم گردنیں مار دو یعنی قتل کرو) اور لفظ فوق زائدہ ہے۔ یہ اخفش، ضحاک اور عطیہ نے کہا ہے۔ اور مسعودی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ میں اس لیے نہیں مبعوث کیا گیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا عذاب دوں بلکہ مجھے تو گردنوں کو مارنے اور بیڑیاں باندھنے کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ إنّی لم أبعث لأعذب بعذاب اللہ وإنما بعثتُ بضرب الرقاب و شدّ الوثاق (1) اور محمد بن یزید نے کہا ہے: یہ خطا ہے، کیونکہ فوق معنی کا فائدہ دے رہا ہے پس اسے زائدہ بنانا جائز نہیں ہے، البتہ معنی یہ ہے کہ ان کے لیے چہروں اور ان کے قریبی اعضاء پر مارنے کو مباح قرار دیا گیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: اس سے مراد ہر سر اور کھوپڑی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد گردنوں سے اوپر والا حصہ ہے اور وہ سر ہیں۔ یہ عکرمہ نے کہا ہے (2)۔ اور سر پر ضرب لگانا زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ ادنیٰ شے بھی دماغ میں اثر کر جاتی ہے۔ اور اس معنی میں سے کچھ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ اور یہ کہ فوق زائدہ نہیں ہے۔ یعنی قول باری تعالیٰ: فَوْقَ اثْنَتَیْنِ (النساء: 11) کے تحت یہ معنی گزر چکا ہے۔ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ زجاج نے کہا ہے: بنان کی واحد بنانۃ ہے اور یہاں ان سے مراد انگلیاں اور ان کے علاوہ دیگر اعضاء ہیں۔ اور البنان ان کے اس قول سے مشتق ہے: ابن الرجل بالمکان ((جب کوئی آدمی کسی جگہ مقیم ہو جائے تب یہ جملہ کہا جاتا ہے) پس بنان کا لفظ ہر اس شے کے لیے بولا جاتا ہے جو اقامت اور حیات کے لیے ہوتی ہے۔

1۔ کنز العمال، کتاب الحدود و محظوراتہ، جلد 5، صفحہ 393، حدیث نمبر 13391، مکتبۃ التراث الاسلامی

2۔ تفسیر طبری، سورۂ انفال، جلد 9، صفحہ 234، دار احیاء التراث العربیۃ

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں بنان سے مراد دونوں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے پورے ہیں (1)۔ اور یہ جنگ میں ثابت رہنے اور محل ضرب سے عبارت ہے، کیونکہ جب پوروں پر ضرب لگائی جائے تو مضروب لڑنے کے قابل نہیں رہتا بخلاف دیگر تمام اعضاء کے (کہ ان پر ضرب لگنے کے باوجود مضروب جنگ جاری رکھ سکتا ہے)

جیسا کہ عنترہ نے کہا ہے:

وكان فَتَى الهَيْجاء يحمي ذِمَارها ويضرب عند الكرب كل بنَانِ

اس سے مراد انگلیوں کے پورے ہیں۔

اور عنترہ کے قول میں بنان بمعنی انگلیاں بھی ہیں:

وأنّ الموت طوع يدي إذا ما وصلت بَنانها بالهِنْدُوانِي

اور یہ معنی کہ بنان بمعنی انگلیاں عرب کے اشعار میں کثرت سے موجود ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے: البنان سے مراد انگلیاں ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے: مراد انگلیوں کے پورے ہیں۔

اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ ان کا نام بنان رکھا گیا ہے، کیونکہ ان کے ساتھ ان احوال کی اصلاح ہوتی ہے جن کے ساتھ انسان قرار حاصل کرتا ہے اور اقامت اختیار کرتا ہے۔ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: البنان سے مراد اعضائے بدن کے تمام جوڑ ہیں (2)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۳ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝۱۴

''یہ حکم اس لیے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (اے حق کے دشمنو!) یہ سزا ہے، پس چکھو اسے، نیز (یاد رکھو) کافروں کے لیے آتش (جہنم) کا عذاب بھی ہے''۔

قولہ تعالیٰ: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ، ذٰلِكَ یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور تقدیر کلام ہے: ذالك الأمر، یا الأمر ذالك (یہ حکم اس لیے ہے) شَآقُّوا اللّٰهَ یعنی انہوں نے اللہ کے اولیاء (اور دوستوں) کی مخالفت کی ہے۔ اور الشقاق کا معنی ہر ایک کا مشقت میں پڑنا ہے (یا ہر ایک کا ایک طرف اور کنارہ میں ہو جانا ہے) یہ معنی پہلے گزر چکا ہے۔ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ زجاج نے کہا ہے: ذالکم، الآمر یا القصه مضمر ماننے کے سبب مرفوع ہے۔ یعنی الأمر ذالکم فذوقوہ (معاملہ اور قصہ یہ ہے پس چکھو اسے) اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ذوقوا (فعل کا مفعول ہونے) کے سبب محل نصب میں ہو، جیسے تمہارا یہ قول: زیدا فاضربه۔ اور کلام کا معنی کافروں کو جھڑکنا اور زجر و توبیخ کرنا ہے۔ اور وان، ذلکم پر معطوف ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ فراء نے کہا ہے: یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل نصب میں ہو بمعنی وبأن للكافرين۔

1۔ تفسیر طبری، سورۂ انفال، جلد 9، صفحہ 235، دار احیاء التراث العربیۃ
2۔ تفسیر طبری، سورۂ انفال، جلد 9، صفحہ 235

انہوں نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہاں واعلموا ان مضمر مان لیا جائے۔ زجاج نے کہا ہے: اگر واعلموا کو مضمر ماننا جائز ہے تو پھر زید منطلق وعمرا جالسا بھی جائز ہے، بلکہ ابتدا میں زیدا منطلقا کہنا جائز ہو، کیونکہ خبر دینے والا معلم ہے اور نحویوں میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶﴾

"اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو کافروں کے لشکر جرار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف (اپنی) پیٹھیں۔ اور جو پھیرے گا ان کی طرف اس روز اپنی پیٹھ بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لیے یا پلٹ کر آنے والا ہو اپنی جماعت کی طرف تو وہ مستحق ہوگا اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے"۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: زَحْفًا الزحف، الدنو قلیلا قلیلا یعنی اس کا معنی ہے آہستہ آہستہ قریب ہونا، آگے بڑھنا۔ اور اس کا اصل معنی ہے الاندفاع علی الألیة (سرین کے بل گھسٹ کر آگے بڑھنا) پھر جنگ میں آخر تک ہر چلنے والے کو زاحف کا نام دیا گیا ہے۔ اور التزاحف کا معنی ہے: باہم ایک دوسرے کے قریب ہونا۔ کہا جاتا ہے: زحف الی العدو زحفا (وہ دشمن کی طرف انتہائی قریب ہو گیا) اور ازدحف القوم کا معنی ہے ان میں سے بعض بعض کی طرف چلے۔ اور اسی سے زحاف الشعر بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دو حرفوں کے درمیان سے ایک حرف ساقط ہو جائے اور اس طرح ان میں سے ایک دوسرے کے قریب ہو جائے۔ پس رب کریم فرما رہا ہے: جب تم ایک دوسرے کے قریب ہو جاؤ اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگو تو پھر تم ان سے مت بھاگو اور نہ تم ان کی طرف اپنی پیٹھیں کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مومنوں پر اس وقت حرام قرار دیا جب ان پر جہاد اور کافروں کا قتال فرض کیا۔ ابن عطیہ نے کہا ہے: ادبار، دبر کی جمع ہے۔ اس آیت میں لفظ دبر وضاحت کی قدرت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ بھاگنے والے پر اظہار ناپسندیدگی کے لیے اور اس کی مذمت بیان کرنے کے لیے ہے (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے کہ مومنین کفار کے سامنے پیٹھ نہ پھیریں اور یہ امر اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ مومنین کے مقابلے میں دشمن کی تعداد دو مثل تک ہو، پس مومنین کا لشکر مشرکین کے ایسے لشکر کے مقابلہ میں ہو جس کی تعداد مومنین سے دوگنا تک ہو تو پھر فرض ہے کہ وہ اس کے سامنے سے نہ بھاگیں۔ پس جو کوئی دو کے مقابلے سے بھاگا تو وہ لشکر سے بھاگنے والا شمار ہوگا۔ اور جو کوئی تین کے مقابلہ سے بھاگا تو وہ لشکر سے بھاگنے والا نہ ہوگا، اور وعید اس کی طرف متوجہ نہ ہوگی۔ اور فرار گناہ کبیرہ ہے، ہلاک کرنے والا ہے۔ یہ ظاہر قرآن سے اور اکثر ائمہ کے اجماع سے ثابت ہے (2)۔ ایک جماعت ان میں سے ابن ماجشون ہیں "الواضحہ" میں کہا ہے: بے شک ضعف، قوت اور تعداد کی رعایت کی

1۔ المحرر الوجیز، سورۃ انفال، جلد 2، صفحہ 510 دار الکتب العلمیہ

2۔ ایضاً

جائے گی، پس ان کے قول کے مطابق ایک سو گھڑسوار کا ایک سو گھڑسوار کے مقابلے سے بھاگنا بھی جائز ہے جب کہ انہیں یہ معلوم ہو کہ مشرکین کے پاس موجود قوت وطاقت ان کی قوت وطاقت سے کئی گنا ہے، لیکن جمہور کے قول کے مطابق ایک سو کا فرار اختیار کرنا حلال نہیں ہوگا مگر تبھی جب کفار کی تعداد دو سو سے زائد ہو، پس جب ایک مسلمان کے مقابلے میں دو سے زیادہ ہوں تو پھر پسپائی اختیار کرنا جائز ہوتا ہے، لیکن ڈٹ جانا اور استقامت اختیار کرنا احسان ہے۔ مؤتہ کی جنگ میں تین ہزار کا لشکر دو لاکھ کے مقابلے میں کھڑا رہا، ان میں سے ایک لاکھ رومی تھے اور ایک لاکھ لخم اور جذام کے مستعربہ تھے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: فتح اندلس کی تاریخ میں یہ موجود ہے کہ طارق مولیٰ موسیٰ بن نصیر سترہ سو افراد کے ساتھ لے کر اندلس کی طرف چلا اور یہ رجب 93ھ کا واقعہ ہے، پس اس کا اور شاہ اندلس لذریک کے درمیان مقابلہ ہوا اس کے ساتھ ستر ہزار گھڑسوار تھے۔ پس طارق نے اس کے ساتھ جنگ لڑی اور اس کے مقابلے میں ڈٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے لذریک کی متکبر فوج کو شکست سے دوچار کیا اور طارق کو فتح وسرفرازی عطا فرمائی۔

ابن وہب نے کہا ہے: میں نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ان سے ایسی قوم کے بارے میں پوچھا جا رہا تھا جو دشمن کے مقابلے میں ہوتے ہیں یا وہ کسی قلعے میں محصور اور محفوظ ہوتے ہیں پھر ان کا دشمن ان پر چڑھائی کر دیتا ہے اور ان کی تعداد قلیل اور تھوڑی ہے، کیا وہ جنگ لڑیں گے یا پیٹھ پھیر کر واپس جائیں گے اور اپنے ساتھیوں کو اس بارے آگاہ کریں گے؟ تو آپ نے فرمایا: اگر وہ جنگ کرنے اور لڑنے کی قوت رکھتے ہوں تو وہ ان کے ساتھ قتال کریں گے، ورنہ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ جائیں گے اور انہیں اس پر آگاہ کریں گے۔

مسئلہ نمبر 3۔ لوگوں کا اس بارے اختلاف ہے کہ کیا جنگ کے دوران فرار اختیار کرنا بدر کے دن کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ حکم قیامت تک ہونے والی جنگوں کو عام ہے؟ تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ حکم صرف یوم بدر کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی قول نافع، حسن، قتادہ، یزید بن ابی حبیب اور ضحاک کا ہے (1)۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے کہ یہ حکم اہل بدر کے ساتھ خاص ہے، پس ان کے لیے پسپائی اختیار کرنا جائز نہیں اور اگر انہوں نے پسپائی اختیار کی تو یقیناً انہوں نے مشرکین کے لیے پسپائی اختیار کی اور اس وقت ان کے سوا مسلمان نہ تھے اور نہ کوئی حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی مسلمانوں کا لشکر تھا۔ تو رہا اس کے بعد کا زمانہ تو اس میں بعض دوسرے بعض کا لشکر تھے۔ الکیا نے کہا ہے: یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ مدینہ طیبہ میں بہت سے انصار تھے جنہیں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خروج کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ ان کا خیال تھا کہ یہ جنگ ہوگی، بلکہ ان کا گمان تو یہ تھا کہ یہ ایک قافلہ ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی لوگوں کے ہمراہ نکل پڑے جو قلیل تعداد میں آپ کے ساتھ تھے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر تمام علماء سے روایت ہے کہ اس آیت (کا حکم) یوم قیامت تک باقی رہنے والا ہے (2)۔

اور پہلے گروہ نے اس سے استدلال کیا ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد یومئذ سے بھی اور کہا ہے: کہ یہ اشارہ یوم بدر کی طرف ہے اور یہ کہ آیت کا حکم آیۃ الضعف سے منسوخ ہے اور لشکر سے فرار کا حکم باقی ہے لیکن وہ گناہ کبیرہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 238　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 843، سورۂ انفال دار الفکر

نہیں ہے۔ تحقیق لوگ غزوۂ احد کے دن بھاگے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا اور غزوۂ حنین کے دن ان کے بارے میں فرمایا: ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ (التوبہ) (پھر تم مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے) اور اس پر کوئی عتاب واقع نہیں ہوا۔

اور جمہور علماء نے کہا ہے: بلاشبہ یہ اس یوم الزحف کی طرف اشارہ ہے جسے قول باری تعالیٰ: اِذَا لَقِيْتُمْ متضمن ہے اور آیت کا حکم یوم قیامت تک باقی رہنے والا ہے بشرطیکہ تعداد اتنے گنا موجود ہو جسے اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں بیان فرمایا ہے اور اس آیت میں نسخ نہیں ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ آیت، قتال کے بعد، جنگ کے ختم ہو جانے کے بعد اور جو کچھ اس دن میں ہوا اس کے ساتھ دن کے گزر جانے کے بعد نازل ہوئی۔ یہی موقف امام مالک، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علماء نے اختیار کیا ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے اجتناب کرو اور ان میں ایک والتولی یوم الزحف(1) (میدان جہاد سے پیٹھ پھیرنا بھی ہے) اور یہ اس مسئلہ میں نص ہے۔ اور رہا احد کا دن! تو بلاشبہ لوگ اپنے سے دو گنا سے زیادہ لوگوں سے بھاگے اور اس کے باوجود ہلاکت اور مشقت میں پڑے۔ اور جہاں تک غزوۂ حنین کا تعلق ہے تو اسی طرح اس میں بھی وہی بھاگا جسے کثرت اور زیادتی کا انکشاف ہوا، جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابن القاسم نے کہا ہے: اس کی شہادت جائز نہیں ہوتی جو لشکر سے بھاگ آئے اور نہ ہی لشکریوں کے لیے فرار جائز ہوتا ہے اگرچہ ان کا امام (سالار) بھاگ جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ الآیہ (اور جو پھیرے گا ان کی طرف اس روز اپنی پیٹھ) فرمایا: اگر مقابل لشکر کی تعداد دو گنا سے زیادہ ہو تو پھر فرار جائز ہوتا ہے۔ اور یہ تب ہے جب مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تک نہ پہنچے اور اگر بارہ ہزار تک پہنچ جائے تو پھر ان کے لیے فرار جائز نہیں اگرچہ مشرکین کی تعداد دو گنا سے زائد ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ولن يغلب اثنا عشر الفا من قلة(2) تعداد بارہ ہزار ہو تو اس پر قلت کے سبب ہرگز غلبہ نہیں پایا جا سکتا) اکثر اہل علم نے اس حدیث کے ساتھ آیت کے عموم میں سے اس عدد کو خاص کیا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: اس حدیث کو ابو البشر اور ابو سلمہ العاملی جو کہ حکم بن عبداللہ بن خطاف ہیں نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث متروک ہے۔ ان دونوں نے بیان کیا ہے: زہری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں حدیث بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اکثم بن جون اپنی قوم کے سوا کے ساتھ مل کر جہاد کرو وہ تیرے اخلاق کو اچھا کر دے گا اور اپنے دوستوں کے ساتھ کرم اور مہربانی کا سلوک کرو۔ اے اکثم بن جون بہترین دوست چار ہیں، ہراول دستے کی بہترین اور اچھی تعداد چالیس ہے، سرایا میں سے بہترین وہ ہے جو چار سو افراد پر مشتمل ہو اور لشکروں میں سے بہترین وہ ہے جو چار ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہو اور بارہ ہزار کو قلیل ہرگز نہیں قرار دیا جائے گا''(3)۔ اور امام مالک

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 64
2۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 1، صفحہ 294
3۔ کنز العمال، فی آداب الجہاد، جلد 4، صفحہ 359-358

رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت ہے وہ ان کے مذہب کے مطابق اس پر دلالت کرتی ہے اور وہ عمری العابد (اس سے مراد عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز بن عمر بن خطاب ہے یہ اپنے اہل زمانہ میں بہت زیادہ زاہد اور پرہیز گار تھے) کے لیے آپ کا قول ہے کہ جب انہوں نے آپ سے پوچھا: کیا آپ کے نزدیک اس کے خلاف جہاد ترک کرنے کی گنجائش ہے جو احکام کو بدل دے، ان میں تغیر پیدا کردے؟ تو آپ نے فرمایا: اگر تیرے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر ہو تو پھر تیرے لیے اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اگر کوئی میدان جہاد سے بھاگ جائے تو پھر اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بلال بن یسار بن زید سے روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا: مجھے میرے باپ نے میرے دادا سے حدیث بیان کی ہے انہوں نے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: من قال أستغفر الله الذی لا إله إلا هو الحی القیوم وأتوب إلیه غفر الله له وإن كان قد فر من الزحف (1) (جس کسی نے کہا میں اس اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے اور میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں، توبہ کرتا ہوں، تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا اگرچہ وہ لشکر سے بھاگا ہی ہو) فرمایا: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے نہیں پہچانتے مگر صرف اسی سند سے۔

مسئلہ نمبر 6۔ قولہ تعالیٰ: اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ۔ التحرف کا معنی ہے جھة استواء سے زائل ہو جانا، سیدھی جہت سے ایک طرف ہو جانا، پس جنگی چال کے لیے ایک جانب سے دوسری جانب ہٹ جانے والا شکست خوردہ نہیں ہوتا، اسی طرح پلٹنے والا جب مسلمانوں کی جماعت کی طرف پلٹنے کی نیت کرے تاکہ وہ ان سے مدد طلب کرے اور پھر جنگ کی طرف لوٹ آئے وہ بھی شکست خوردہ نہیں ہوتا۔ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرایا میں سے ایک سریہ میں تھے انہوں نے بیان کیا: پس لوگ اردگرد گھومنے لگے اور میں بھی ان اردگرد گھومنے والوں میں سے تھا (مقصود راہ فرار کی تلاش تھی) وہ کہتے ہیں: جب ہم ظاہر ہو گئے، ہم نے کہا: ہم کیا کریں گے، حالانکہ ہم لشکر سے فرار ہیں اور ہم غضب کے ساتھ پلٹنے بھی ہیں۔ تو ہم نے کہا: ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہوں گے اور اسی میں ٹھہرے رہیں گے اور ہم چلے جائیں گے اور ہمیں کوئی بھی نہیں دیکھے گا۔ وہ فرماتے ہیں: پس ہم داخل ہوئے اور ہم نے کہا: اگر ہم اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش کردیں۔ اگر تو ہمارے لیے توبہ ہوئی تو ٹھہر جائیں گے، وگرنہ ہم واپس چلے جائیں گے (جنگ کی طرف لوٹ جائیں گے) فرماتے ہیں: پس ہم فجر کی نماز سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں بیٹھ گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو ہم آپ کے احترام کے لیے کھڑے ہو گئے اور عرض کی: ہم (اپنے لشکر سے) فرار ہو کر آنے والے ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: لا بل انتم العکارون (نہیں بلکہ تم تو زبردست حملہ کرنے والے ہو) وہ فرماتے ہیں: فدنونا فقبلنا یدہ (پس ہم قریب ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کا بوسہ لیا) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں مسلمانوں کا گروہ اور جماعت ہوں'' (2)۔ ثعلب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

1۔ جامع ترمذی، کتاب الدعوات، جلد 2، صفحہ 197۔ ایضاً، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 1296، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داود، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 356۔ ایضاً، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2276، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عکارون هم عطافون ہیں (وہ مہربانی کرنے والے اور مائل ہونے والے ہیں) اور کسی اور نے کہا ہے: وہ آدمی جو جنگ کے وقت پیٹھ پھیر کر آجاتا ہے پھر دوبارہ لوٹ جاتا ہے تو اس کے لیے عکہ اور اعتکہ کہا جاتا ہے۔

جریر نے منصور کے واسطے سے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا: قادسیہ سے ایک آدمی شکست خوردہ ہوا اور وہ بھاگ کر مدینہ طیبہ میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آگیا اور عرض کی: اے امیر المومنین! میں ہلاک ہو گیا، میں تو لشکر سے بھاگ آیا ہوں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تیری جماعت ہوں۔ اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے: جب ابوعبیدہ کے قتل کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو آپ نے فرمایا: اگر وہ میری طرف لوٹ کر آجاتا تو میں اس کے لیے ایک جماعت تھا، پس میں ہر مسلمان کی جماعت اور گروہ ہوں (1)۔

ان احادیث کی بنا پر فرار گناہ کبیرہ نہیں، کیونکہ یہاں فئۃ سے مراد مدینہ ہے امام وقت مسلمانوں کی جماعت ہے جہاں بھی یہ ہوں۔ اور دوسرے قول کی بنا پر یہ گناہ کبیرہ ہے، کیونکہ وہاں فئۃ سے مراد جنگ کے لیے حاضر لوگوں کی جماعت ہے۔ یہ جمہور کے قول کے مطابق ہے کہ لشکر سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ انہوں نے کہا ہے: حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول تمام مومنین کا احاطہ کرنے کے اعتبار سے ہے، کیونکہ وہ اس زمانے میں اپنے آپ کو دوچند کرنے کے لیے کئی بار ثبات اختیار کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ اور قول باری تعالیٰ: والتول یوم الزحف میں اتنا کافی ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ قولہ تعالیٰ: فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہوگا۔ باء کا اصل معنی لوٹنا ہے۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ یعنی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور یہ ہمیشہ اس میں رہنے پر دلالت نہیں کرتا، جیسا کہ کئی مقامات پر گزر چکا ہے۔ اور حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من قال أستغفر الله الذی لا إله إلا هو الحی القیوم غفر له وإن كان قد فر من الزحف۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

"پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں اور (اے محبوب!) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تا کہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ تو ہوا اور بلاشبہ اللہ کمزور کرنے والا ہے کفار کے مکروفریب کو"۔

قولہ تعالیٰ: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ یعنی بدر کے دن تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا ہے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جب غزوہ بدر سے واپس لوٹے تو ان میں سے ہر ایک نے اپنا کارنامہ ذکر کیا:

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 609، سورۃ انفال

میں نے اس طرح قتل کیا، میں نے اس طرح کیا۔ تو اس وجہ سے ان میں تفاخر اور اس جیسی دیگر چیزیں آنے لگیں۔ تو اس حقیقت پر آگاہ کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی (1) کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی مارنے والا ہے اور وہی تمام چیزوں کی قدرت عطا کرنے والا ہے اور یہ کہ بندہ تو صرف اپنے کسب اور اپنے قصد کے ساتھ اس میں شریک ہوتا ہے۔ اور یہ آیت ان کا رد کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خالق خود ہیں۔ پس کہا گیا ہے کہ معنی یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہاری طرف ہانک کر انہیں قتل کیا ہے، یہاں تک کہ اس نے تمہیں ان پر قدرت دی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان ملائکہ کے ساتھ قتل کیا ہے جن کے ساتھ اس نے تمہاری مدد کی ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ اسی کی مثل ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اس رمی کے بارے میں علماء کے مابین چار مختلف اقوال ہیں:

(۱) بے شک اس رمی سے مراد غزوۂ حنین کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کنکریاں پھینکنا ہے۔ اسے ابن وہب نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس دن کوئی باقی نہیں بچا مگر اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنکری لگی۔ اسی طرح ان سے ابن القاسم نے بھی روایت کیا ہے۔

(۲) یہ غزوۂ احد کے دن کا واقعہ ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن خلف کی گردن میں چھوٹا نیزہ مارا تو ابی شکست کھا کر واپس لوٹ گیا۔ تو مشرکین نے اسے کہا: قسم بخدا! تجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ تو اس نے جواب دیا: واللہ لو بصق علی لقتلنی (قسم بخدا! اگر آپ مجھ پر تھوک دیتے تو یقیناً مجھے قتل کر دیتے) کیا انہوں نے یہ نہیں کہا تھا: بل أنا أقتله (بلکہ میں اسے قتل کروں گا) ابی نے مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کی دھمکی دی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا تھا: بل أنا أقتلك (2) (بلکہ میں تجھے قتل کروں گا) پس وہ دشمن خدا مکہ مکرمہ کی طرف واپس لوٹتے ہوئے مقام سرف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ضرب سے مر گیا۔

موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے: جب غزوۂ احد کا دن تھا تو ابی لوہے میں لپٹا ہوا گھوڑے پر بیٹھ کر آیا اور کہنے لگا: اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نجات پا گئے تو پھر میں نہیں بچ سکوں گا۔ چنانچہ اس نے قتل کے ارادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس مومنین میں سے کچھ لوگ اس کے سامنے آ گئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ تم اس کا راستہ چھوڑ دو۔ پھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لیے اس کے مقابلے میں آئے اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن خلف کی ہنسلی کی ہڈی کو خود اور زرہ کو ملانے والی جگہ کے درمیان ایک سوراخ سے دیکھ لیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چھوٹے نیزے کے ساتھ اسے مارا تو ابی اپنے گھوڑے سے گر پڑا اور اسے نیزہ لگنے کی جگہ سے خون نہ نکلا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: پس آپ نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی توڑ دی۔ اور فرمایا: پس اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اور یہ ضعیف ہے، کیونکہ یہ آیت غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 511 2۔ البدایہ والنہایہ، فصل فی قتل رسول اللہ ابی بن خلف، جلد 4، صفحہ 35

(۳) اس سے مراد وہ تیر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے قلعہ میں پھینکا تھا پس وہ ہوا میں چلتا رہا یہاں تک کہ ابن ابی الحقیق کو اس کے بستر پر جا لگا۔ یہ قول بھی فاسد ہے، خیبر کی فتح تو احد سے بھی بہت بعد میں ہوئی۔ ابن ابی الحقیق کے قتل کے بارے میں صحیح قول اس کے سوا ہے۔

(۴) بلاشبہ یہ واقعہ بدر کے دن پیش آیا۔ یہ ابن اسحاق نے کہا ہے: اور یہی اصح ہے، کیونکہ یہ سورت بدری ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: ''آپ مٹی کی ایک مٹھی لیں'' (1)، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اسے ان کے چہروں پر پھینکا اور مشرکین میں سے کوئی بھی نہیں بچا مگر یہ کہ وہ مٹی اس کی آنکھوں، نتھنوں اور اس کے منہ میں پڑی، اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے، عنقریب اس کا بیان آئے گا۔

ثعلب نے کہا ہے: اس کا معنی ہے وَ مَا رَمَيْتَ ان کے دلوں میں گھبراہٹ، خوف اور رعب آپ نے نہیں ڈالا۔ اِذْ رَمَيْتَ جب آپ نے کنکریاں پھینکیں اور وہ پسپا ہو گئے۔ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اور آپ کو فتح و کامرانی عطا فرمائی۔ عرب کہتے ہیں: رمی اللہ لک یعنی اللہ تعالیٰ نے تیری مدد کی اور تجھے کامیاب کیا اور تیرے لیے ایسا کیا۔ اسے ابو عبیدہ نے کتاب المعاذ میں بیان کیا ہے۔ اور محمد بن یزید نے کہا ہے: آپ نے اپنی قوت کے ساتھ نہیں پھینکی جب آپ نے پھینکی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی قوت کے ساتھ آپ نے پھینکی ہے۔ وَ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا یہاں البلاء سے مراد نعمت (واحسان) ہے۔ اور ''لام'' محذوف کے ساتھ تعلق کے لیے ہے، یعنی ولیبلی المؤمنین فعل ذالک (تاکہ اس طرح مومنوں پر احسان فرمائے) ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ یہ اہل حرمین اور ابو عمرو کی قراءت ہے۔ اور اہل کوفہ کی قراءت موھن کید الکافرین ہے اور تشدید میں مبالغہ کا معنی ہے اور حسن سے مُوْهِنُ كَيْدِ الکافرین اضافت اور تخفیف کے ساتھ مروی ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا یہاں تک کہ وہ تمام کے تمام متفرق ہو جائیں گے اور کمزور ہو جائیں گے اور کید کا معنی مکر ہے۔ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

''(اے کفار!) اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو (لو) آ گیا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر تم (اب بھی) باز آ جاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمہیں تمہاری جماعت کچھ بھی چاہے اس کی تعداد بہت زیادہ ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے''۔

قولہ تعالیٰ: اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ یہ شرط اور اس کا جواب ہے۔ اور اس میں تین اقوال ہیں: (۱) یہ خطاب کفار کے لیے ہوگا، کیونکہ انہوں نے فیصلہ طلب کیا اور کہا: اے اللہ! جو ہم میں سے زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہے اور اپنے ساتھی پر زیادہ ظلم کرنے والا ہے تو اس کے خلاف دوسرے کی مدد فرما، یہ حسن اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہما وغیرہما نے کہا ہے۔ انہوں نے یہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 611

قول قافلے کی مدد کے لیے نکلتے وقت کہا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ابوجہل نے جنگ کے وقت کہا تھا۔ اور نضر بن حارث نے کہا تھا: اللّٰھم إن کان ھذا ھو الحق من عندك فأمطر علینا حجارۃ من السمآء أو ائتنا بعذاب ألیم (اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب) اور یہ بھی مقتولین بدر میں سے تھا۔ اور الاستفتاح کا معنی ہے مدد طلب کرنا، یعنی تحقیق تمہارے پاس فتح اور مدد آگئی لیکن وہ تمہارے خلاف مسلمانوں کے لیے ہے، یعنی تمہارے پاس وہ فیصلہ آگیا جس کے ساتھ معاملہ واضح ہوگیا اور تمہارے لیے حق منکشف ہوگیا۔ وَ اِنْ تَنْتَهُوْا یعنی اگر تم کفر سے (اب بھی) باز آجاؤ۔ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا اور اگر تم پھر اس قول کی طرف اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قتال کی طرف لوٹو گے۔ نَعُدْ تو ہم بھی دوبارہ مومنوں کی مدد ونصرت فرمائیں گے۔ وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا اور تمہاری جماعت تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ پہنچائے گی۔ وَّ لَوْ كَثُرَتْ اگرچہ تعداد میں وہ بہت زیادہ ہو۔

(۲) یہ خطاب مومنین کو ہے، یعنی اگر تم مدد طلب کرتے ہو تو تحقیق تمہارے پاس مدد ونصرت آگئی اور اگر تم باز رہے اس قسم کے کاموں سے جو تم نے کیے (مثلاً) اجازت سے قبل مال غنیمت اور قیدیوں کو پکڑنا وغیرہ۔ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا اور اگر تم پھر اس قسم کے کاموں کی طرف لوٹ آئے تو ہم بھی دوبارہ تمہیں زجر وتوبیخ کریں گے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ الآیہ (الانفال: 68) (اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاء اجتہادی معاف ہے)

(۳) کہ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ میں خطاب مومنین کو ہو اور جو اس کے بعد ہے وہ کفار کے لیے ہو، یعنی اگر تم قتال کی طرف لوٹو گے تو ہم پھر واقعہ بدر کی مثل تمہیں سزا دیں گے۔ علامہ قشیری نے کہا ہے: صحیح قول یہ ہے کہ یہ خطاب کفار کو ہے، کیونکہ وہ جب قافلے کی مدد کے لیے چلے تھے تو وہ غلاف کعبہ کے ساتھ چمٹ گئے اور یہ کہا: اللّٰھم انصر اھدی الطائفتین وأفضل الدینین (اے اللہ! دونوں گروہوں میں سے جو زیادہ ہدایت یافتہ ہے اور دو دینوں میں سے افضل ہے اس کی مدد فرما)۔ مہدوی نے کہا ہے: یہ بھی روایت ہے کہ مشرکین نکلے تو ان کے پاس کعبہ معظمہ کا غلاف تھا وہ اس کے وسیلہ سے مدد طلب کرتے رہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: اس احتمال کی وجہ سے کہ انہوں نے دو حالتوں میں ایسا کیا ہو اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ اس میں استیناف کی بنا پر ان کا ہمزہ مکسور ہے۔ اور یہ ہمزہ مفتوح ہوگا اگر اس کا عطف اس ارشاد پر ہو: وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (الانفال) یا اس کا عطف اَنِّيْ مَعَكُمْ پر ہو۔ اور اس کا معنی ہے: ولأن اللہ (کیونکہ اللہ تعالیٰ) اور تقدیر کلام ہے لِكثرتها وان اللہ یعنی جس کا مددگار اور ناصر اللہ تعالیٰ ہو تو کوئی جماعت اس پر غالب نہیں آسکتی اگرچہ وہ تعداد میں بہت زیادہ ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ روگردانی کرو اس سے حالانکہ تم سن رہے ہو''۔

قولہ تعالیٰ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یہ خطاب تصدیق کرنے والے مومنین کو ہے۔ ان کی عظمت اور بزرگی کو ظاہر کرنے کے لیے انہیں منفرد خطاب فرمایا اور منافقین کو اس میں شامل نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ازسرنو اپنی اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم ارشاد فرمایا اور انہیں اس سے روگردانی کرنے سے منع فرمایا۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے: اس آیت سے خطاب صرف منافقین کو ہے۔ اور معنی یہ ہے: اے وہ لوگو! جو صرف اپنی زبانوں کے ساتھ ایمان لائے ہو۔ ابن عطیہ نے کہا ہے: اگرچہ اس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے لیکن یہ بہت ضعیف اور کمزور ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جنہیں خطاب کیا ہے انہیں ایمان کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔ اور ایمان تصدیق کا نام ہے اور منافقین کسی شے کے سبب تصدیق سے متصف نہیں۔ اور اس سے زیادہ بعید وہ ہے جس نے یہ کہا ہے کہ یہ خطاب بنی اسرائیل کو ہے، کیونکہ یہ قول تو آیت سے بالکل اجنبی ہے (1)۔

قولہ تعالیٰ: وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ، التولی کا معنی اعراض کرنا ہے۔ اس میں عَنْهُ فرمایا ہے۔ عنہما نہیں کہا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے: وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ (التوبہ: 62) (اس میں بھی ضمیر واحد ذکر کی ہے ھما تثنیہ ذکر نہیں کی) وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ یہ مبتدا اور خبر حال کے محل میں ہیں۔ اور معنی یہ ہے: حالانکہ تم سن رہے ہو وہ دلائل و براہین جو قرآن کریم میں تم پر تلاوت کیے جاتے ہیں۔

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝۲۱ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝۲۲

"اور نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا: ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ بے شک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے"۔

قولہ تعالیٰ: وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا یعنی تم یہود یا منافقین یا مشرکین کی طرح نہ بن جانا۔ اور اس میں مراد کانوں سے سننا ہے۔ وَ هُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ یعنی وہ اس میں تدبر نہیں کرتے جو وہ سنتے ہیں اور نہ وہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں۔ پس وہ اس کی طرح ہیں جس نے کچھ نہیں سنا اور حق سے اعراض کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی مثل ہونے سے منع فرمایا ہے۔ پس آیت اس پر دلیل ہے کہ مومن کا قول: سمعتُ و أطعتُ (میں نے سنا اور پیروی کی) اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے جب تک امتثال فعل کی صورت میں اس پر اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ پس جب اس نے اوامر میں کوتاہی اور سستی برتی تو پھر وہ اس پر عمل پیرا نہ ہوا۔ اور اس نے نواہی پر اعتماد کیا اور ان کا ارتکاب کیا تو پھر اس کے نزدیک کون سی سمع ہے اور کون سی طاعت ہے، بلاشبہ اس وقت تو وہ اس منافق کے قائم مقام ہو جاتا ہے جو ایمان کو ظاہر کرتا ہے اور کفر کو چھپاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ سے مراد یہی ہے، یعنی یہ منافقین کے بارے ہے یا یہود کے بارے یا مشرکین کے بارے ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ بے شک کفار زمین پر چلنے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 513

والوں میں سے سب سے زیادہ شریر ہیں۔ اور بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ فرمایا: یہ بنی عبدالدار کے لوگ ہیں (1)۔ اور شرا اصل میں اشر تھا کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ و حذف کر دیا گیا اسی طرح خیر اصل میں اخیر تھا۔

وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

''اور اگر جانتا اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر سنا دیتا انہیں (قبول حق کی استعداد کے بغیر) تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے''۔

قولہ تعالیٰ: وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ کہا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی جانتا تو انہیں ضرور دلائل و براہین اس طرح سنا دیتا کہ وہ انہیں سمجھ سکتے، لیکن ان کی شقاوت اور بدبختی پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ اگر وہ انہیں سمجھا دیتا تو وہ ایمان نہ لاتے کیونکہ ان کا کفر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں پہلے سے موجود ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے: تو وہ یقیناً انہیں ان مردوں کا کلام سنوا دیتا جنہیں زندہ کرنے کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا، کیونکہ انہوں نے قصی بن کلاب وغیرہ کو زندہ کرنے کا، مطالبہ کیا تھا تاکہ وہ حضور نبی رحمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دیں۔

زجاج نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر اس کا جواب سنا دیا جس کے بارے انہوں نے سوال کیا۔ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ رسول بلائے تمہیں اس امر کی طرف جو زندہ کرتا ہے تمہیں اور خوب جان لو کہ اللہ (کا حکم) حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان بے شک اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ بلا اختلاف یہ خطاب تصدیق کرنے والے مومنین کو ہے۔ اور استجابۃ کا معنی الاجابۃ (جواب دینا) ہے۔ اور يُحْيِيْكُمْ اصل میں يُحْيِيُكُم تھا، پھر یا پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے اسے یا سے حذف کر دیا گیا اور ادغام جائز نہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا ہے: استجیبوا کا معنی اجیبوا (تم جواب دو) ہے لیکن عرف کلام یہ ہے کہ استجاب لام کے واسطہ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور اجاب بغیر لام کے متعدی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يٰقَوْمَنَاۤ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ (الاحقاف: 31) (اے ہماری قوم! قبول کر لو اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو) اور کبھی استجاب بھی بغیر لام کے متعدی ہوتا ہے۔ اور اس پر شاہد شاعر کا یہ قول ہے:

1۔ تفسیر ابن عباس، سورۃ انفال، جلد 1، صفحہ 440

وداعٍ دعا یا مَنْ یُجیب إلی النَّدَی فلم یَستجِبْه عند ذاك مُجِیبُ(1)

آپ کہتے ہیں: اجابه و أجاب عن سواله (اس نے اسے جواب دیا اور اس نے اس کے سوال کا جواب دیا) اس میں مصدر الاجابة ہے، اور اسم الجابة ہے، جیسا کہ الطاقة اور الطاعة ہے۔ تو کہتا ہے: أساء سَمْعًا فأساء اجابة (اس نے غلط سنا اور غلط جواب دیا) اس حرف کے بارے اسی طرح کلام کی جاتی ہے۔ اور المجاوبة و التجاوب کا معنی ہے باہم ایک دوسرے سے گفتگو کرنا، تبادلہ خیال کرنا۔ اور تو کہتا ہے: إنه لحَسن الجِیبة اس میں الجیبه (جیم کے کسرہ کے ساتھ) بمعنی الجواب ہے یعنی (بے شک اس نے خوبصورت جواب دیا)

لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ یہ استجیبوا کے متعلق ہے۔ اس کا معنی ہے: استجیبوا لما یحییکم إذا دعاکم (تم جواب دو اس امر کا جو تمہیں زندہ کرتا ہے جب وہ رسول تمہیں بلائے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لام بمعنی إلی ہے۔ أی إلی ما یحییکم یعنی جب وہ تمہیں ایسے امر کی طرف بلائے جو تمہارے دین کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں (نور) علم عطا فرماتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یعنی تمہیں بلاتا ہے ایسے امر کی طرف جس کے ساتھ تمہارے دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ پس تم نے اسے واحد اور یکتا تسلیم کر لیا، یہ احیاء مجازی ہے، کیونکہ یہ کفر اور جہالت کی موت سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت مجاہد اور جمہور نے کہا ہے: اس کا معنی ہے تم طاعت کو اور اوامر و نواہی میں سے جتنے احکام کو قرآن کریم متضمن ہے تمام کو قبول کرو (2)، اسی میں ابدی حیات ہے اور یہی نعمت سرمدیہ ہے۔

اور بعض نے کہا ہے: قول باری تعالیٰ: لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ سے مراد جہاد ہے، کیونکہ ظاہر میں یہی زندگی کا سبب ہے کیونکہ دشمن کے ساتھ جب نہ لڑا جائے تو پھر وہ حملہ آور ہوتا ہے۔ اور اس کے حملے میں موت ہے اور جہاد میں مرنا ابدی حیات ہے، جیسا کہ رب کریم نے ارشاد فرمایا: وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ (آل عمران: 169) (اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیے گئے ہیں الله کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں) اور صحیح قول یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے جیسا کہ جمہور نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے انہوں نے بیان فرمایا: میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا تو رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا (لیکن) میں نے کوئی جواب نہ دیا، پھر میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کی: یا رسول الله! صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھ رہا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا الله عزوجل نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ (3) اور حدیث ذکر کی"۔ یہ سورۃ فاتحہ میں پہلے گزر چکی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ اس پر دلیل ہے کہ فعل فرض یا قول فرض جب حالت نماز میں کیا جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی، کیونکہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کا حکم ارشاد فرمایا اگرچہ وہ نماز میں ہو۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: اس میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی حجت اور دلیل ہے کہ اگر آدمی نماز پڑھ رہا ہو پھر اس نے کسی بچے کو دیکھا کہ وہ کنوئیں میں چھلانگ لگانے کا ارادہ رکھتا ہے پس اس نے اس کے بارے شور مچایا اور اس کی طرف گیا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 514 2۔ ایضاً 3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر سورۃ انفال، جلد 2، صفحہ 699

اور اسے اس پر ڈانٹ پلائی تو (اتنے عمل سے) نماز میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 3۔ قولہ تعالیٰ: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ کہا گیا ہے: یہ اس بارے میں نص ہونے کا تقاضا کرتی ہے کہ کفر اور ایمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پس وہ کافر آدمی اور اس ایمان کے درمیان جس کے بارے اس نے حکم دیا ہے حائل ہو جاتا ہے، پس بندہ اسے حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ اسے اس پر قدرت نہ دے بلکہ اس نے اسے اس (ایمان) کی ضد پر قدرت دے رکھی ہے اور وہ کفر ہے، اور اسی طرح مومن ہے کہ اللہ کریم اس کے درمیان اور کفر کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ پس اس نص سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے جملہ اعمال کا خالق ہے چاہے وہ اعمال خیر ہوں یا شر ہوں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کا یہی معنی ہے: لاو مقلب القلوب (1) (قسم ہے اس کی جو دلوں کو پھیرنے والا ہے) اور اللہ تعالیٰ کا فعل اس کے بارے میں عین عدل ہے جسے اس نے گمراہ کیا اور رسوا کیا، کیونکہ اس نے انہیں اس حق سے روکا نہیں جو اس پر واجب ہو کہ صفت عدل زائل ہو جائے، بلکہ اس نے تو انہیں اس فضل اور مہربانی سے روکا ہے جو اس کے پاس تھی چاہتا تو ان پر فرما سکتا تھا مگر وہ ان کے لیے واجب نہ تھی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے پس وہ اس کی اجازت کے بغیر ایمان لانے کی استطاعت نہیں رکھتا اور وہ کفر بھی نہیں کر سکتا مگر اس کی مشیت کے ساتھ۔ اور قلب (دل) غور و فکر کا محل ہے۔ اس کا بیان پہلے سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، جب وہ چاہتا ہے بندے اور اس کے درمیان کسی بیماری یا آفت کے سبب حائل ہو جاتا ہے تاکہ وہ سمجھ ہی نہ سکے۔ یعنی تم قبولیت کی طرف جلدی کر لو اس سے پہلے کہ تم عقل زائل ہونے کے سبب اس پر قادر ہی نہ رہو۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس کا معنی ہے وہ آدمی اور اس کی عقل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ آدمی جو کر رہا ہوتا ہے اسے سمجھ نہیں سکتا اور قرآن کریم میں ہے: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ (ق: 37) اس میں قلب سے مراد عقل ہے۔

(بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل (بینا) رکھتا ہو) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ آدمی اور اس کے عمل کے درمیان موت کے ساتھ حائل ہو جاتا ہے، لہٰذا جو عمل آدمی سے فوت ہو چکا ہوتا ہے اس کا تدارک اس کے لیے ممکن ہی نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غزوۂ بدر کے دن مسلمان دشمن کی کثرت کے سبب خوفزدہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرمایا کہ وہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اس طرح کہ وہ انہیں خوف کے بعد امن سے بدل دے اور ان کے دشمن کو امن سے خوف میں بدل دے۔ اور یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ امور کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدلتا رہتا ہے۔ اور یہی جامع معنی ہے۔ اور علامہ طبری کی پسند یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اخبار ہے کہ وہ بندوں کے دلوں کا مالک ہے اور یہ کہ وہ جب چاہتا ہے ان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کسی شے کا ادراک نہیں کر سکتا۔ وَاَنَّهٗٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ یہ معطوف ہے۔ فراء نے کہا ہے: اگر جملہ مستانفہ ہوتا تو پھر ان کو کسرہ دیا جاتا۔ لہٰذا وَ اَنَّهٗٓ ہی درست اور صحیح ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 616

وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

''اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے (جو اگر برپا ہو گیا تو) نہ پہنچے گا صرف انہیں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے درمیان منکر اور گناہ کو جڑ نہ پکڑنے دیں کہ ان تمام کو عذاب عام ہو جائے (1)۔ (اور بعض لوگوں کے گناہ کے سبب وہ سارے اس عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں) اسی طرح حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تاویل کی ہے کیونکہ انہوں نے جمل کے دن کہا اور وہ 36ھ کا زمانہ تھا: آج مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ اس آیت سے ہم ہی مراد لیے گئے ہیں اور میں اس کو اسی کے بارے گمان کر رہا ہوں جسے اس وقت مخاطب بنایا گیا۔ اور اسی طرح حضرت حسن بصری (2) اور سدی وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم نے بھی تاویل کی ہے۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ آیت صرف اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پس انہیں جمل کے دن فتنہ آ پہنچا اور وہ آپس میں لڑ پڑے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے درمیان منکر اور گناہ کو پختہ نہ ہونے دیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب عام میں مبتلا کر دے۔

اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے اصحاب میں سے لوگوں کے درمیان فتنہ برپا ہو گا میرے ساتھ انہیں شرف صحبت ہونے کے سبب اللہ کریم ان کو اس میں معاف فرما دے گا اور ان کے بعد آنے والے لوگوں میں جو اس میں ان کی پیروی کریں گے اللہ تعالیٰ اس کے سبب انہیں جہنم میں داخل کرے گا'' (3)۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: یہ وہ تاویلات ہیں جنہیں احادیث صحیحہ سے تقویت حاصل ہوتی ہے پس صحیح مسلم میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے حالانکہ ہم میں صالحین ہوں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں جب خبث (نجاست، گناہ وغیرہ) زیادہ ہو جائے گا'' (4)۔ اور صحیح ترمذی میں ہے۔ ''بے شک لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے ان تمام کو سزا دے'' (5)۔ یہ احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔

اور صحیح بخاری اور ترمذی میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے والا اور ان میں واقع ہونے والا اس قوم کی مثل ہیں جو ایک جہاز پر سوار ہوں، ان میں سے بعض اس کی اوپر

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 515 2۔ ایضاً 3۔ صحیح مسلم کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 388

4۔ ایضاً 5۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 39

والی منزل میں ہوں اور بعض نیچے والی منزل میں، پس وہ جو نیچے والے حصے میں ہیں جب انہیں پانی کی طلب ہو تو انہیں اوپر والوں کی طرف جانا پڑتا ہو چنانچہ انہوں نے یہ کہا: اگر ہم اپنے حصے میں سوراخ کر لیں اور ہم اوپر والوں کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ پس اگر اوپر والے انہیں چھوڑ دیں تو جو انہوں نے ارادہ کیا ہے وہ سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے ان کے ہاتھ پکڑ لیے تو وہ بھی نجات پا گئے اور ان کے ساتھ بھی نجات پا جائیں گے'' (1)۔ پس اس حدیث میں خاص لوگوں کے گناہوں کے سبب تمام لوگوں کو عذاب دینے کا تذکرہ ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس عذاب اور سزا کا استحقاق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کرنے کے سبب ثابت ہوا ہے۔ ہمارے علماء نے کہا ہے: پس فتنہ، جب اس پر عمل کیا جائے تو تمام ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور ایسا گناہوں کے عام ہونے، منکر کے پھیلنے اور تبدیلی نہ آنے کے سبب ہوتا ہے اور جب حالات میں تبدیلی نہ آئے تو مومنوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے دلوں سے اس کا انکار کرتے ہوئے اس شہر کو چھوڑ دیں اور وہاں سے نکل جائیں۔ اور اسی طرح ان لوگوں کے لیے حکم تھا جو ہم سے پہلے امتوں میں سے تھے، جیسا کہ سبت کے قصہ میں ہے جس وقت انہوں نے نافرمانوں کو چھوڑا اور کہا: ہم تمہارے ساتھ سکونت اختیار نہیں کریں گے۔ اور اسی کے مطابق اسلاف رحمہم اللہ نے کہا ہے۔ ابن وہب نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: اس زمین کو چھوڑ دیا جائے گا جس میں بدکاری علانیہ ہوتی ہو اور اس میں ٹھکانا نہیں بنایا جائے گا۔ اور انہوں نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے عمل سے استدلال کیا ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ربا کا اعلان کیا اور سونے کے برتن کی بیع ایسے برتن کے ساتھ جائز قرار دی جو وزن میں اس سے زیادہ ہو تو آپ (حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ) اس زمین سے نکل گئے، اسے صحیح نے نقل کیا ہے۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو وہ عذاب اس میں موجود ہر آدمی کو پہنچتا ہے پھر انہیں ان کے اعمال پر اٹھایا جائے گا'' (2)۔ پس یہ روایت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ اس میں عام ہلاک کرنے والا عذاب مومنین کے لیے پاکیزگی کا سبب ہوتا ہے اور وہی فاسقوں کے لیے سزا اور عذاب ہوتا ہے۔ اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت نیند میں اضطراب کا اظہار کیا (یعنی اپنے اعضاء جسم کو حرکت دی جیسے کوئی کسی شے کو پکڑتا ہے) تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے حالت نیند میں ایسا عمل کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تعجب اور حیرانی ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ قریش کے ایک آدمی کو پکڑنے کے لیے اس بیت (مراد بیت اللہ شریف) کا ارادہ رکھتے تھے حالانکہ وہ آدمی بیت اللہ شریف میں پناہ لیے ہوئے تھا یہاں تک کہ جب وہ مقام بیداء پر پہنچے تو وہ دھنسا دیے گئے'' (3)۔ تو ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم بے شک راستہ تو بہت سے لوگوں کو جامع ہوتا ہے (یعنی راستہ تو ہر ایک کو اپنے اوپر

1۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 40۔ ایضاً، حدیث نمبر 2099، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 1053 3۔ ایضاً

چلنے کی اجازت دیتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں، ان میں کچھ عمداً قصد کرنے والے تھے، کچھ مجبور اور مکرہ تھے اور کچھ مسافر تھے وہ سب ایک ہی ہلاکت خیز جھٹکے کے ساتھ ہلاک ہو گئے ہیں اور مختلف مقامات سے نکلیں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کی نیتوں کے مطابق اٹھائے گا" (1)۔

اور اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (انعام: 164) (اور نہ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ) كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (المدثر) (ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے) لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ: 286) (اس کو اجر ملے گا جو (نیک عمل) اس نے کیا اور اس پر وبال ہوگا جو (برا عمل) اس نے کمایا) یہ ارشادات اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ کسی کو کسی دوسرے کے گناہ کے بدلے نہیں پکڑا جائے گا، بلاشبہ سزا گناہ کرنے والے کے ساتھ ہی متعلق ہوتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں میں جب گناہ ظاہر ہو جائے تو ہر دیکھنے والے پر فرض ہے کہ وہ اسے تبدیل کر دے (یعنی اسے روکنے کی کوشش کرے) اور جب وہ اس پر خاموش رہے تو تمام کے تمام سے گنہگار ہوں گے۔ (فرق صرف اتنا ہے) کچھ اس کا ارتکاب کر رہے ہیں (اس لیے وہ گنہگار ہیں) اور کچھ اس پر راضی ہونے کی وجہ سے گنہگار ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم اور اپنی حکمت میں (گناہ پر) راضی ہونے والے کو (گناہ) کرنے والے کے قائم مقام قرار دیا ہے، پس سزا میں راضی بھی عامل کے ساتھ شامل ہوگا۔ یہ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور یہی ان احادیث کا مضمون ہے جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ اور آیت کا مقصود یہ ہے کہ تم بچو ایسے فتنے سے جو ظالم سے تجاوز کر کے ہر نیک و بد تک پہنچ جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ نحویوں نے لَا تُصِيْبَنَّ میں نون کے داخل ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ فراء نے کہا ہے: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: انزل عن الدابة لا تطرحنك (تو سواری سے اتر آ وہ تجھے نہیں گرائے گی) تو یہ لفظ نہی کے ساتھ جواب امر ہے، یعنی معنی یہ ہے: ان تنزل عنها لا تطرحنك (اگر تو اس سے اتر آیا تو وہ تجھے نہیں گرائے گی) اور اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ (النمل: 18) یعنی ان تدخلوا لا يحطمنكم (گھس جاؤ اپنی بلوں میں کہیں کچل کر نہ رکھ دیں تمہیں) تو اس میں نون اس لیے داخل کیا گیا ہے، کیونکہ اس میں جزا کے معنی پائے جا رہے ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: چونکہ یہ کلام قسم کے محل میں ہے اور نون داخل نہیں ہوتا مگر فعل نہی پر یا جواب قسم پر۔ اور ابو العباس المبرد نے کہا ہے: بے شک یہ امر کے بعد نہی ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ ظالموں کے لیے نہی ہے یعنی تم ظلم کے قریب نہ جاؤ۔ اور سیبویہ نے بطور حکایت بیان کیا ہے: لا اريتك ههنا یعنی تو یہاں نہ ہو، کیونکہ جو یہاں ہوگا تو میں اسے دیکھوں گا۔ اور علامہ جرجانی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے اتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا خاصة (تم بچو اس فتنہ سے جو صرف ان لوگوں تک نہ پہنچے گا جنہوں نے ظلم کیا) پس قول باری تعالیٰ لَا تُصِيْبَنَّ نکرہ کے وصف کے محل میں نہی ہے۔ اور اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کو فتنہ پہنچنے کی خبر ہے جنہوں نے ظلم کیا۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 847

حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے لتصیبن کو بغیر الف کے پڑھا ہے۔ مہدوی نے بیان کیا ہے: جنہوں نے لتصیبن پڑھا ہے ان کے نزدیک یہ جائز ہے کہ یہ لا تصیبن سے مقصود ہو اور اس میں الف کو اسی طرح حذف کر دیا گیا ہو جیسے ما میں حذف کیا گیا ہے اور یہ ماخت لا ہے، جیسا کہ اس قول میں ہے أمَ واللہ لأ فعلن اور اس کے مشابہ جملوں میں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جمہور کی قراءت کی مخالفت ہو، پس معنی یہ ہوگا کہ یہ فتنہ صرف ظالم کو پہنچے گا۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۲۶

''اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے ملک میں (ہر وقت) ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اچک نہ لے جائیں تمہیں لوگ، پھر اللہ نے پناہ دی تمہیں اور طاقت بخشی تمہیں اپنی نصرت سے اور عطا کیں تمہیں پاکیزہ چیزیں تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ''۔

قولہ تعالیٰ: وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ کلبی نے کہا ہے: یہ آیت مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یعنی یہ ہجرت سے پہلے اور ابتدائے اسلام میں ان کی حالت کا بیان ہے۔ مُّسْتَضْعَفُوْنَ یہ صفت ہے فِي الْاَرْضِ مراد سرزمین مکہ ہے۔ تَخَافُوْنَ یہ بھی نعت (صفت) ہے۔ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ یہ محل نصب میں ہے اور الخطف کا معنی ہے تیزی کے ساتھ کسی چیز کو لے لینا (اچک لینا) النَّاسُ یہ فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے۔ حضرت قتادہ اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: اس سے مراد مشرکین قریش ہیں۔ وہب بن منبہ نے کہا ہے: یہ اہل فارس اور روم ہیں (1)۔ فَاٰوٰىكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: (پس اللہ نے تمہیں پناہ دی) انصار کے پاس۔ سدی نے کہا ہے: پس اس نے تمہیں مدینہ طیبہ میں پناہ دی۔ دونوں کا معنی ایک ہے اوی الیہ مد کے ساتھ ہو تو معنی ہے ضم الیہ۔ اس نے تجھے اس کے ساتھ ملا دیا۔ اور أوى إليه (قصر کے ساتھ ہو) تو معنی ہے انضم الیہ (وہ اس کے ساتھ مل گیا) وَاَيَّدَكُمْ اور اس نے تمہیں قوت اور طاقت بخشی۔ بِنَصْرِهٖ اپنی مدد کے ساتھ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے تمہیں انصار کے ساتھ قوت و طاقت عطا کی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس نے تمہیں بدر کے دن ملائکہ کے ساتھ قوت بخشی۔

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور اس نے تمہیں غنائم عطا کیں۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۷

''اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور رسول سے اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں اس حال میں کہ تم جانتے ہو''۔

روایت ہے کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جس وقت انہوں نے بنی قریظہ کی طرف ذبح کا اشارہ کیا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: قسم بخدا! میرے قدم نہیں پھسلے یہاں تک کہ مجھے علم ہو گیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کی ہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ اور کہا: قسم بخدا! نہ میں کھانا کھاؤں گا اور نہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 619

پانی پیوں گا یہاں تک کہ میں مرجاؤں یا پھر اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے (1)۔ یہ خبر مشہور ہے۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے: جب بنی قریظہ کا معاملہ پیش آیا تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ بھیجا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ پس جب آپ ان کے پاس جا کر رکے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے نازیبا کلمات کہے اور حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ابلق (چتکبرہ گھوڑا) گھوڑے پر تشریف لائے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا: گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھ رہی ہوں کہ آپ حضرت جبریل امین علیہ السلام کے چہرے سے غبار صاف کر رہے ہیں۔ تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ دحیہ (رضی اللہ عنہ) ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں''۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سی شے آپ کو بنی قریظہ سے روک رہی ہے کہ آپ ان کی طرف آئیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میرے لیے ان کے قلعے میں پہنچنا کیسے ممکن ہے''؟ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: میں اپنا یہ گھوڑا ان پر داخل کروں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ننگے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ تو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا، عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر ہوتا کہ آپ تشریف نہ لاتے، کیونکہ وہ آپ کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہرگز نہیں بے شک عنقریب سلامتی ہو جائے گی''۔ پس حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''اے بندروں اور خنزیروں کے بھائیو''۔ تو انہوں نے کہا: اے ابا القاسم! آپ تو فحش کہنے والے نہیں۔ پھر انہوں نے کہا: ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم پر (نیچے) نہیں اتریں گے، البتہ ہم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پر اتر آئیں گے۔ پس وہ اترے۔ اور ان کے بارے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی اولادوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسی (فیصلے) کے ساتھ فرشتہ سحری کے وقت میرے پاس آیا (2)، پس ان کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ یہ آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی کہ انہوں نے بنی قریظہ کی طرف اس وقت اشارہ کیا جب انہوں نے کہا: ہم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پر اتریں گے کہ تم اس طرح نہ کرو، کیونکہ یہ ذبح ہے اور ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی بات سنتے تھے تو وہ اسے مشرکین تک پہنچا دیتے تھے اور اسے افشا کر دیتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مال غنیمت میں خیانت کرنا ہے اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، کیونکہ وہی وہ ہے جس نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا کرنے والے اور اسے قائم اور پختہ کرنے والے ہیں۔ اور الخیانۃ سے مراد غدر (دھوکا) اور کسی شی کو چھپانا ہے۔ اور اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: یَعْلَمُ خَآىِٕنَةَ الْاَعْیُنِ (غافر: 19) (وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو) اور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کرتے ہیں: ''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بھوک سے کیونکہ یہ بہت برا ساتھی ہے اور خیانت سے کیونکہ یہ انتہائی

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 619

2۔ تفسیر در منثور، جلد 3، صفحہ 323

برا باطن ہے"(1)۔ نسائی نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول پھر آگے اسے ہی بیان کیا ہے۔

وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ یہ محل جزم میں ہے، کیونکہ اس کا عطف ماقبل پر ہے۔ اور کبھی جواب کی بنا پر اس طرح ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: لا تاكلِ السمك و تشرب اللبن (اس میں تشرب، لاتاکل کا جواب ہونے کی وجہ سے مجزوم ہو سکتا ہے) اور امانات سے مراد وہ اعمال ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو امین بنایا ہے۔ اور انہیں امانت کا نام دیا گیا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ انہیں حق کے روکنے سے محفوظ کر دیا جاتا ہے، یہ الأمن سے ماخوذ ہے۔ اور سورۃ النساء میں امانات اور ودیعتوں کی ادائیگی کے بارے میں اور دیگر چیزوں کے بارے میں بحث گزر چکی ہے وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یعنی خیانت میں جو قبح اور عار (ندامت) ہے اسے تم جانتے ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے تم جانتے ہو کہ یہ امانت ہے۔

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾

"اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد (سب) آزمائش ہے اور بے شک اللہ، اسی کے پاس اجر عظیم ہے"۔

قولہ تعالیٰ: وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اموال و اولاد بنی قریظہ میں تھے (2) اور یہی وہ شے تھی جس نے آپ کو ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے پر ابھارا تھا۔ اور یہ اشارہ اسی طرف ہے۔ فتنة کا معنی ہے آزمائش، امتحان (اللہ تعالیٰ نے) انہیں اس کے ساتھ امتحان میں ڈال دیا۔ وَ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ پس تم اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حق پر ترجیح دو (کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾

"اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دے گا تمہیں اور اللہ بڑے فضل (و کرم) والا ہے"۔

تقویٰ کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے جانتا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کرتے ہیں یا نہیں۔ اسے لفظ شرط کے ساتھ ذکر کیا ہے، کیونکہ اس نے بندوں کو ایسے انداز میں خطاب کیا ہے جیسے وہ آپس میں ایک دوسرے کو خطاب کرتے ہیں۔ اور جب بندہ اپنے رب سے ڈرنے لگے اور یہ اس کے اوامر کو بجا لانے اور اس کی نواہی سے اجتناب کرنے سے، محرمات میں واقع ہونے کے خوف سے شبہات کو ترک کرنے، اور اپنے دل کو خالص نیت کے ساتھ بھرنے سے، اور اپنے جوارح کو اعمال صالحہ میں مشغول رکھنے اور اعمال میں غیر اللہ کی رعایت کے سبب شرک خفی اور ظاہر کی آمیزش سے محفوظ رہنے، اور مال سے باز رہنے کے سبب دنیا کی طرف میلان سے بچنے سے حاصل ہوتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 218۔ ایضاً، حدیث نمبر 1323، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 3344، ضیاء القرآن پبلی کیشنز　2۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 620

تمیز اور فرق قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے ہر اس خیر اور نیکی میں رکھ دیا ہے جسے ممکن بنانے کا وہ ارادہ رکھتا ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے قول باری تعالیٰ: اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسے مخرج (نکلنے کی جگہ) بنادیا ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۝ (الطلاق)

ابن القاسم اور اشہب نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل اسی طرح بیان کیا ہے۔ اس سے قبل اسے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور شاعر کا قول ہے:

مَالَكَ مِن طُولِ الأَسَى فُرقَانٌ بعد قَطِينٍ رَحلوا و بَانُوا(1)

اور ایک دوسرے شاعر نے کہا:

وکیف أرَجّي الخلد والموت طالبي وما لی من كأس المنية فرقانُ

ابن اسحاق نے کہا ہے: فُرْقَانًا اس کا معنی ہے حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا۔ ابن زید نے بھی یہی کہا ہے۔ اور سدی نے کہا ہے: اس کا معنی نجات ہے۔ فراء نے کہا ہے: اس کا معنی فتح و نصرت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے آخرت میں فرقان بنادیا ہے، پس یہ تمہیں جنت میں داخل کردے گا اور کفار کو جہنم میں داخل کرے گا۔

وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ۝۳۰

''اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرمارہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے''۔

یہ اس خفیہ تدبیر اور مکر کے بارے خبر دی جارہی ہے جس پر مشرکین حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دارالندوہ میں جمع ہوئے تھے۔ پس انہوں نے مشاورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے پر اجماع کیا نتیجۃً انہوں نے آپ کی دربانی کی اور طویل رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے پر آپ کی تاک میں بیٹھے رہے کہ جونہی آپ باہر نکلیں تو وہ آپ کو شہید کر دیں۔ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم ارشاد فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ وہ ان پر اپنا اثر ڈال دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو ڈھانک دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اس حال میں کہ ان پر نیند چھائی ہوئی تھی، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سروں پر مٹی ڈالی اور وہاں سے چلے گئے۔ جب انہوں نے صبح کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس باہر تشریف لائے اور انہیں بتایا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے، تب انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے ہیں اور نجات پا گئے ہیں۔ سیرت وغیرہ میں یہ خبر مشہور ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 518

اور لِيُثْبِتُوكَ کا معنی ہے تاکہ وہ آپ کو قید کر دیں۔ کہا جاتا ہے: أثبته یہ تب کہا جاتا ہے جب تو اسے قید کر لے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: لیثبتوك وثاقاً (تاکہ وہ آپ کو بیڑیاں پہنا لیں) آپ سے بھی اور عبداللہ بن کثیر سے یہ منقول ہے: لیسجنوك (تاکہ وہ آپ کو جیل میں ڈال دیں) اور ابان بن تغلب اور ابو حاتم نے کہا ہے: اس کا معنی ہے تاکہ وہ آپ کو زخموں اور شدید مار نے کے سبب نڈھال اور کمزور کر دیں، جیسے شاعر کا قول ہے:

فقلتُ ويحكما ما في صحيفتكم قالوا الخليفة أمسى مُثبتًا وجعا

اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ یہ کلام معطوف ہے۔ وَيَمْكُرُوْنَ یہ نیا کلام ہے اور المکر کا معنی ہے کسی معاملے میں خفیہ تدبیر کرنا۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ یہ مبتدا اور خبر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے مکر کا مفہوم یہ ہے کہ وہ انہیں ان کی خفیہ تدبیر پر عذاب کے ساتھ ایسی جزا دے گا جس کے بارے انہیں شعور تک نہ ہوگا۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۱

''اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتے ہیں (اجی رہنے دو) سن لیا ہم نے اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں نہیں ہیں یہ مگر کہانیاں اگلے لوگوں کی''۔

یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ تجارت کی غرض سے حیرہ کی طرف نکلا اور اس نے کلیلہ و دمنہ، کسریٰ اور قیصر کی کہانیاں خرید لیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماضی کی اخبار بیان فرماتے تو نضر کہتا: اگر آپ چاہیں تو میں بھی اس کی مثل بیان کروں۔ اور یہ انتہائی بے شرم اور جھوٹا تھا۔ اور بعض نے یہ کہا ہے: بے شک وہ اس وہم میں پڑ گئے کہ وہ اس کی مثل لا سکتے ہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں کو وہم ہوا تھا، پھر انہوں نے اس کا قصد کیا تو اس سے عاجز آ گئے اور از روئے عناد کہنے لگے: یہ تو فقط اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔

اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۲

''اور جب انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب''۔

قراء نے الْحَقَّ کو كَانَ کی خبر ہونے کی بنا پر منصوب پڑھا ہے اور درمیان میں هُوَ ضمیر فصل ہے۔ اور هُوَ الْحَقُّ مرفوع بھی جائز ہے۔ مِنْ عِنْدِكَ (تیری طرف سے) زجاج نے کہا ہے: میں کسی کو نہیں جانتا جس نے اس کے ساتھ پڑھا ہو۔ اور اس کے جائز ہونے میں علمائے نحو کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، لیکن قرأت سنت ہے اور اس میں صرف قرات مرضیہ کے ساتھ ہی پڑھا جائے گا۔ اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ قول کس نے کیا ہے؟ پس حضرت مجاہد اور ابن جبیر نے کہا ہے: یہ کہنے

والا النضر بن حارث تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ نے بیان کیا: یہ کہنے والا ابو جہل ہے (1)۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ پھر یہ کہنا بھی جائز ہے کہ انہوں نے یہ قول اس شبہ کی بنا پر کیا ہو جو ان کے سینوں میں موجود تھا یا عناد کی وجہ سے کہا اور لوگوں کو یہ وہم دلانے کے لیے کہا کہ وہ صاحب بصیرت ہیں، پھر بدر کے دن ان پر وہ عذاب اترا جس کی انہوں نے دعا مانگی۔ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہودیوں میں سے ایک آدمی ملا تو اس یہودی نے کہا: آپ کن میں سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں قریش میں سے ہوں۔ تو اس نے پوچھا: آپ اس قوم میں سے ہیں جنہوں نے یہ کہا تھا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ الآیہ تو انہیں کیا تھا کہ وہ یہ کہہ دیتے: ان کان هذا هو الحق من عندك فاهدنا له! (اگر یہ تیری جانب سے حق ہے تو ہمیں ان کی طرف ہدایت عطا فرما) بلاشبہ وہ جاہل قوم تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے اسرائیلی! تو اس قوم میں سے ہے جن کے پاؤں اس سمندر کی تری سے خشک نہیں ہوئے جس میں فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو نجات عطا فرمائی گئی۔ یہاں تک کہ وہ کہنے لگے: اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (الاعراف: 138) (ہمارے لیے بھی ایسا الٰہ بنا دو جیسے ان کے الٰہ ہیں) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ (الاعراف) (بلاشبہ تم جاہل قوم ہو) تو یہودی نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔

فَاَمْطِرْ (عذاب کی بارش برسا) عذاب کے لیے امطر کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور رحمت کے لیے مطر بولا جاتا ہے۔ یہ ابو عبیدہ سے منقول ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

"اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا انہیں حالانکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں"۔

- جب ابو جہل نے کہا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ الآیہ تب یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ اسی طرح صحیح مسلم میں ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اہل بستی کو عذاب نہیں دیا یہاں تک کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین اس سے نکل گئے اور وہاں پہنچ گئے جہاں کا انہیں حکم دیا گیا (2)۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے: وہ طواف میں کہا کرتے تھے: غفرانك اور استغفار اگرچہ فاجروں سے واقع ہو اس کے ساتھ کئی قسم کے شر اور تکالیف دور کر دی جاتی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک یہ استغفار ان مسلمانوں کی طرف راجع ہے جو ان کے درمیان تھے، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے حالانکہ ان میں وہ مسلمان بھی ہیں جو مغفرت طلب کر رہے ہیں، پس جب وہ نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یوم بدر اور دوسرے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ ضحاک وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں استغفار سے مراد اسلام ہے یعنی وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ، ای یسلمون حالانکہ وہ اسلام قبول کر رہے ہوں۔ یہ عکرمہ اور مجاہد نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وَهُمْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ انفال، جلد 2، صفحہ 669
2۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 625

یَسْتَغْفِرُوْنَ اور وہ استغفار کر رہے ہوں ان کی صلبوں میں اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے۔

یہ بھی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یَسْتَغْفِرُوْنَ کا معنی ہے لو استغفروا یعنی اگر وہ استغفار کریں تو وہ عذاب نہ دیئے جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں استغفار کرنے کی دعوت دی۔ حضرت قتادہ اور ابن زید نے یہی کہا ہے۔ مدائنی نے بعض علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب میں ایک آدمی تھا وہ اپنی ذات پر بہت فضول خرچی کرتا تھا اور وہ گناہ سے نہ بچتا تھا۔ پس جب حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو اس نے اونی لباس پہنا اور اپنے جملہ اعمال سے رجوع کر لیا اور دین اور طاعت و عبادت کو ظاہر کر دیا۔ تو اسے کہا گیا: اگر تو یہی عمل اس وقت کرتا جب حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو یقیناً آپ تجھ سے خوش ہوتے۔ تو اس نے جواباً کہا: میرے لیے دو امان تھیں پس ایک گزر گئی اور دوسری باقی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ یہ ایک امان ہے اور دوسری وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ہے۔

وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۴

"(مکہ سے آپ کی ہجرت کے بعد) اب کیا وجہ ہے ان کے لیے نہ عذاب دے انہیں اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے اور نہیں ہیں وہ اس کے متولی، اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی"۔

قولہ تعالیٰ: وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ اس کا معنی ہے: کون سی شے ان کے لیے اب سے مانع ہے کہ وہ عذاب دیئے جائیں، یعنی بلاشبہ وہ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں ان برائیوں اور دیگر اسباب کے سبب جن کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے، لیکن شے کے لیے ایک مقررہ وقت ہے، پس اللہ تعالیٰ نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے (مکہ مکرمہ) سے نکلنے کے بعد انہیں تلوار کے تہہ عذاب دیا۔ اور اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝۱ (المعارج) اور اخفش نے کہا ہے: بے شک ان زائدہ ہے۔ نحاس نے کہا ہے: اگر ایسے ہوتا جیسے انہوں نے کہا تو يُعَذِّبَهُمْ مرفوع ہوتا۔ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی بلاشبہ متقین اس کے دوست ہیں۔

وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝۳۶ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ

فَیَرْكُمَهٗ جَمِیْعًا فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

"اور نہیں تھی ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس بجز سیٹی اور تالی بجانے کے، سو چکھو اب عذاب بوجہ اس کے کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔ بے شک کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تا کہ روکیں (لوگوں کو) الله کی راہ سے اور یہ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کریں گے پھر ہو جائے گا یہ خرچ کرنا ان کے لیے باعث حسرت وافسوس پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ تا کہ الگ کر دے الله تعالیٰ ناپاک کو پاک سے اور رکھ دے سب ناپاکوں کو ایک دوسرے کے اوپر پھر اکٹھا کر دے ان سب کو پھر ڈال دے اس مجموعہ کو جہنم میں یہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا: قریش ننگے بدن بیت الله شریف کا طواف کرتے تھے، وہ تالیاں بجاتے تھے اور سیٹیاں مارتے تھے(1) اور یہ ان کے گمان میں عبادت تھی۔ مکاء کا معنی سیٹی مارنا ہے اور التصدیہ کا معنی تالی بجانا ہے۔ یہ حضرت مجاہد، سدی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے کہا ہے اور اسی کے مطابق عنترہ کا قول بھی ہے:

وحَلِيلِ غانيةٍ تركت مُجَدَّلًا　تَمْكُو فرِيصتُه كشِدْقِ الأعْلمِ(2)

یعنی اس میں تمکو بمعنی تصوت (آواز نکالنا، سیٹی مارنا کے) ہے۔ اور اسی سے مکتِ استُ الدابة یہ تب کہا جاتا ہے جب جانور ہوا خارج کرے۔ سدی نے کہا ہے: المکاء بمعنی الصفیر سیٹی مارنا ہے۔ یہ جب حجاز کے طائر ابیض (سفید پرندہ) کی آواز اور طرز پر ہو تو اس کے لیے المکاء کہا جاتا ہے۔ شاعر کا قول ہے:

إذا غَرَّدَ المُكَّاءُ في غيرِ رَوْضةٍ　فَوَيْلٌ لأهلِ الشاءِ والحُمُراتِ

حضرت قتادہ نے کہا ہے: المکاء سے مراد ہاتھوں کے ساتھ تالی بجانا ہے اور تصدیہ سے مراد چیخ مارنا، سیٹی مارنا ہے۔ دونوں تفسیروں کی بنا پر اس میں ان جاہل صوفیاء کا رد ہے جو رقص کرتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں اور گر پڑتے ہیں۔ یہ سب کا سب منکر (اور ممنوع) عمل ہے اور عقلاً ایسے عمل سے پرہیز کرتے ہیں اور محفوظ رہتے ہیں۔ ایسا کرنے والا مشرکین کے ساتھ اس عمل میں مشابہ ہو جاتا ہے جو وہ بیت الله شریف کے پاس کرتے تھے۔

ابن جریج اور ابن نجیح نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ان سے مراد ان کا اپنے مونہوں میں انگلیاں داخل کرنا ہے۔ اور تصدیہ سے مراد سیٹی بجانا ہے۔ ان کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے اس عمل کے ساتھ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز سے غافل کر دے (آپ کی نماز میں خلل پیدا کریں)۔ نحاس نے کہا ہے: لغت میں معروف وہ معنی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ابو عبیدہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ کہا جاتا ہے: مَكَا يَمْكُو مَكْوًا و مُكَاءً جب کوئی سیٹی بجائے۔ اور صَدّٰی یُصَدِّی تصدیۃ کہا جاتا ہے جب کوئی تالی بجائے، اس معنی میں عمرو بن اطنابۃ کا قول بھی ہے:

وظلّوا جميعا لهم ضجّةٌ　مُكاءٌ لدى البيت بالتَّصدِيَة

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 627　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 523

یعنی اس میں التصدیۃ بمعنی التصفیق یعنی تالی بجانا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر اور ابن زید نے کہا ہے: التصدیۃ کا معنی ہے ان کا بیت اللہ شریف سے روکنا، اس معنی کی بنا پر یہ اصل میں تصددۃ ہے، پھر دو دالوں میں سے ایک کو یا سے بدل دیا گیا ہے۔ اور لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ کا معنی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ مومن کو کافر سے الگ کر دے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ (حکم) ہر شے میں عام ہے چاہے اس کا تعلق اعمال سے یا نفقات سے یا کسی اور سے ہو۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۳۸

"فرما دیجئے کافروں کو کہ اگر وہ (اب بھی) باز آ جائیں تو بخش دیا جائے گا انہیں جو ہو چکا۔ اور اگر وہ (پہلے کرتوت) دہرائیں تو گزر چکا ہے (ہمارا) طریقہ پہلے) نافرمانوں) کے ساتھ"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا حضور نبی مکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ کفار کو یہ بات کہیں، چاہے تو آپ انہیں الفاظ کے ساتھ کہیں یا ان کے علاوہ دوسرے الفاظ میں۔ ابن عطیہ نے کہا ہے: اگر ایسا ہے جیسے کسائی نے ذکر کیا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں اس طرح ہے: قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ تو پھر نبی مکرم ﷺ نے اسے بعینہ ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا ہے، یہ اس کے لیے کافی ہے جس کا تقاضا الفاظ کرتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: اِنْ یَّنْتَهُوْا امراد یہ ہے کہ اگر وہ کفر سے باز آ جائیں۔ ابن عطیہ نے کہا ہے: اور یہی ضروری ہے۔ اور اس پر ابھارنے والا یہ جواب شرط ہے یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ اور جو ہو چکا اس کی مغفرت فقط کفر سے باز رہنے کے سبب ہی ہو سکتی ہے (1)۔ ابو سعید احمد بن محمد زبیری نے بہت خوب کہا ہے۔

یستوجبُ العفوَ الفتی إذا اعترف ثم انتهی عما أتاه واقترف

نوجوان معافی کا مستحق ہو جاتا ہے جب وہ اعتراف کرلے پھر اس سے باز آ جائے جو اس نے کیا۔

لقوله سبحانه فی المعترِف إن ینتهوا یغفرلهم ما قد سلَفْ

کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے معترف کے بارے فرمایا ہے: اگر وہ باز آ جائیں تو بخش دیا جائے گا جو ہو چکا۔

امام مسلم نے ابو شماسہ مہری سے روایت بیان کی ہے انہوں نے کہا: ہم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اس حال میں کہ وہ نزع کی کیفیت میں تھے طویل وقت تک روتے رہے (2)۔ الحدیث۔ اور اس میں ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا تو نہیں جانتا کہ اسلام اپنے سے پہلے والے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور ہجرت اپنے سے پہلے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 527
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 76

والے گناہوں کو گرا دیتی ہے اور حج اپنے سے پہلے والے گناہوں کو منہدم کر دیتا ہے" (1)۔ الحدیث

علامہ ابن عربی نے فرمایا: یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے انتہائی لطف وکرم ہے جس کے ساتھ اس نے مخلوق پر احسان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ کفار اپنے آپ کو کفر اور جرائم میں پھنسائے رکھتے ہیں اور معاصی اور گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پس اگر ان کا یہ عمل ان کے لیے مواخذہ کو واجب کر دے تو وہ کبھی بھی توبہ کو نہ پا سکیں اور نہ مغفرت انہیں حاصل ہو سکے۔ پس اللہ تعالیٰ نے رجوع الی اللہ کے وقت توبہ قبول فرما کر ان پر معاملہ آسان کر دیا اور اسلام کے بدلے انہیں مغفرت عطا فرما کر اور سابقہ سارے گناہوں کو گرا کر ان پر معاملہ آسان فرما دیا، تاکہ یہ انہیں دین میں داخل ہونے کے۔ یا دہ قریب کر دے اور مسلمانوں کے کلمہ کو قبول کرنے کی انہیں زیادہ دعوت دے اور اگر انہیں یہ معلوم ہو کہ ان کا مواخذہ کیا جائے گا تو نہ وہ توبہ کریں اور نہ اسلام قبول کریں (2)۔ اور صحیح مسلم میں ہے: جو لوگ تم سے پہلے تھے ان میں سے ایک آدمی نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا پھر اس کے ذہن میں خیال آیا کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، چنانچہ وہ ایک عبادت گزار کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: کیا اس کے لیے کوئی توبہ کا ذریعہ ہے؟ تو اس نے جواب دیا: تیرے لیے کوئی توبہ نہیں، پس اس نے اسے بھی قتل کر دیا اور اس کے ساتھ سو مکمل ہو گئے (3)۔ الحدیث۔ پس تم عابد کے اس قول کی طرف دیکھو: تیرے لیے کوئی توبہ نہیں۔ تو جب اسے یہ معلوم ہوا تو وہ اس سے مایوس اور ناامید ہو گیا نتیجۃً اس نے اسے بھی قتل کر دیا، تو یہ ہے رحمت سے مایوس ہونے والے کا فعل۔ پس بھگانا اور نفرت دلانا مخلوق کو بگاڑ دیتا ہے اور آسانی وسہولت پیدا کرنا مخلوق کی اصلاح کرتا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آپ کے پاس کوئی ایسا آدمی آتا جس نے قتل نہ کیا ہوتا اور وہ آپ سے پوچھتا: کیا قاتل کے لیے توبہ ہے؟ تو آپ فرماتے: اس کے لیے کوئی توبہ نہیں، آپ اسے ڈرانے اور خوفزدہ کرنے کے لیے ایسا فرماتے۔ اور جب ایسا آدمی آتا جس نے قتل کیا ہوتا اور وہ سوال کرتا: کیا قاتل کے لیے توبہ ہے؟ تو آپ اسے فرماتے: تیرے لیے توبہ ہے۔ آپ یہ اسے آسانی اور سہولت پہنچانے کے لیے اور تالیف قلب کے لیے فرماتے۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن القاسم اور ابن وہب نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے آدمی کے بارے میں نقل کیا ہے جس نے حالت شرک میں طلاق دی اور پھر اسلام قبول کر لیا کہ اس کی طلاق نہیں ہے اور اسی طرح وہ آدمی جس نے قسم کھائی پھر اسلام قبول کر لیا تو اس پر حانث ہونا نہیں ہے۔ اور اسی طرح وہ آدمی جس پر یہ چیزیں واجب ہوئیں تو اس کے لیے (اسلام کے سبب) مغفرت اور بخشش ہے لیکن وہ آدمی جس نے کسی مسلمان پر افتراء باندھا پھر اسلام قبول کر لیا یا سامان چوری کیا پھر اسلام قبول کر لیا تو اس پر افترا پردازی اور چوری کی حد قائم کی جائے گی۔ اور اگر کسی نے زنا کیا اور پھر اسلام لے آیا یا کسی مسلمان عورت کو غصب کیا پھر اسلام قبول کر لیا تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔ اور اشہب نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ وہ سب مراد لے رہا ہے جو اسلام سے پہلے ہو چکا، چاہے اس کا تعلق مال سے ہو یا دم سے یا کسی اور شے سے۔

1۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 75، حدیث نمبر 299
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 853-852
3۔ صحیح مسلم، کتاب التوبہ، جلد 2، صفحہ 359

علامہ ابن عربی نے کہا ہے: یہی صحیح اور درست ہے، کیونکہ ہم پہلے قول باری تعالیٰ: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ اور حدیث طیبہ: الاسلام یھدم ما قبلہ کی عمومیت بیان کر چکے ہیں اور اس کی دلیل وہ بھی ہے جو ہم نے آسانی باہم پہنچانے اور نفرت نہ دلانے کا معنی بیان کیا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: جہاں تک حربی کافر کا تعلق ہے تو اس نے حالت کفر میں دار الحرب میں جو کچھ بھی کیا ہے اس کے (اسلام کے سبب) ساقط ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور اگر وہ امان لے کر ہمارے پاس آیا اور کسی مسلمان پر تہمت لگا دی تو اسے حد لگائی جائے گی اور اگر اس نے چوری کی تو اسے قطع ید کی سزا دی جائے گی۔ اور اسی طرح ذمی نے جب کسی پر قذف لگائی تو اسے اسی کوڑے حد لگائی جائے گی اور جب اس نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر اس نے کسی کو قتل کیا تو اسے قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ اور اسلام اس سے ان کو ساقط نہیں کرے گا، کیونکہ اس نے اپنا عہد حالت کفر میں ہی توڑ دیا ہے۔ یہ ابن قاسم وغیرہ کی روایت کے مطابق ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے: ایسے نصرانی کے بارے میں اختلاف ہے جو زنا کرتا ہے پھر اسلام قبول کر لیتا ہے، حالانکہ اس پر مسلمانوں میں سے بینہ موجود ہے، پس حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا گیا جب کہ وہ عراق میں تھے کہ اس پر نہ حد ہے اور نہ تغریب (جلاوطنی) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ۔

ابن منذر نے کہا ہے: یہ اس کے موافق ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے۔ اور ابو ثور نے کہا ہے: جب اس نے اقرار اس حال میں کیا کہ وہ مسلمان تھا کہ اس نے حالت کفر میں زنا کیا ہے تو اس پر حد قائم کی جائے گی۔ اور کوفی سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔

مسئلہ نمبر 4۔ رہا مرتد جب وہ اسلام قبول کرلے درآنحالیکہ اس کی کئی نمازیں فوت ہو چکی ہوں، اس نے کئی جرائم کا ارتکاب کیا ہو اور مال ضائع کیے ہوں، تو اس کے بارے کہا گیا ہے: اس کا حکم کافر اصلی جیسا ہے جب وہ اسلام قبول کرے یا اس سے کسی شے کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا جو کچھ اس نے حالت ارتداد میں کیا۔ امام شافعی نے اپنے ایک قول میں کہا ہے: اس کے ذمہ اللہ تعالیٰ اور آدمیوں کے تمام حقوق لازم ہوتے ہیں، دلیل یہ ہے کہ آدمیوں کے حقوق اس کے ذمہ لازم ہیں تو پھر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی اس پر لازم ہوں۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں وہ ساقط ہو جائیں گے اور جو آدمی کے حقوق ہیں وہ ساقط نہ ہوں گے۔ علامہ ابن عربی نے کہا ہے: یہی ہمارے علماء کا قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے حق سے مستغنی ہے اور آدمی اپنے حق کا محتاج ہے۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ حقوق اللہ بچوں پر واجب نہیں ہوتے لیکن حقوق العباد ان پر لازم ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے: ارشاد باری تعالیٰ: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں عام ہے (1)۔

مسئلہ نمبر 5۔ قولہ تعالیٰ: وَاِنْ يَّعُوْدُوْا مراد قتال کی طرف لوٹنا ہے، کیونکہ لفظ عاد جب مطلق آئے تو اس حالت کی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 854-853

طرف لوٹنے کو متضمن ہوتا ہے جس پر انسان پہلے ہو اور پھر اس حالت سے (نئی حالت کی طرف) منتقل ہو۔ ابن عطیہ نے کہا ہے: ہم اس آیت میں ان کفار کے لیے ایسی کوئی حالت نہیں پاتے جو سوائے قتال کے ہماری ذکر کردہ کسی کیفیت سے مشابہت رکھتی ہو۔ اور کفر کی طرف لوٹنے کی تاویل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ کفر سے جدا ہوئے ہی نہیں اور ہم نے عاد کے بارے میں جو کہا ہے کہ جب یہ مطلق ہو (تو اس کی وجہ یہ ہے) کیونکہ یہ کلام عرب میں کبھی مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے، تو اس وقت یہ بمعنی صار ہوتا ہے، جیسا کہ آپ کہتے ہیں: عاد زید ملکا مراد ہے صار زید ملکا (زید بادشاہ ہو گیا) اور اسی پر امیہ بن ابی صلت کا قول ہے:

تلك المكارمُ لاقَعْبانِ من لبن　　شِيبَا بماء فعادا بعدُ أبوالَا(1)

اور یہ اس حالت کی طرف لوٹنے کو متضمن نہیں جس پر لوٹنے والا اس سے پہلے تھا۔ پس یہ اپنی خبر کے ساتھ مقید ہے اس کے بغیر اقتصار جائز نہیں، پس اس کا حکم صار کے حکم کی طرح ہے۔

قولہ تعالیٰ: فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ یہ عبارت وعید، تہدید اور تمثیل تمام کو جامع ہے ان کے ساتھ جو زمانہ ماضی کی امتیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ساتھ ہلاک ہوئیں۔

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

''اور (اے مسلمانو!) لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ باقی نہ رہے کوئی فساد اور ہو جائے دین پورے کا پورا اللہ کے لیے تو پھر اگر وہ باز آ جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ اور اگر وہ روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے، وہ کیا ہی بہترین کارساز ہے اور کتنا بہترین مددگار ہے''۔

قولہ تعالیٰ: وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ یعنی اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ کفر باقی نہ رہے (یعنی اس میں فتنہ سے مراد کفر ہے) آیت کے آخر تک معنی و مفہوم اور اس کے الفاظ کی تفسیر سورۃ البقرہ اور دیگر مقامات پر گزر چکی ہے۔ والحمد للہ

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

''اور جان لو کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے لیے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے (محبوب) بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز آمنے سامنے ہوئے تھے دونوں لشکر۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 527

قولہ تعالیٰ: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ اس میں چھبیس مسائل ہیں (☆):

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ لغت میں غنیمت سے مراد وہ (مال) ہے جسے آدمی یا جماعت محنت اور کوشش کے ساتھ حاصل کرے۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وقد طوّفت فی الآفاق حتی رضیت من الغنیمة بالإیاب(1)

اور دوسرے شاعر نے کہا:

ومُطْعَم الغُنْم یوم الغنم مُطْعَمَهُ أَنَّى توجّه والمحروم محروم(2)

مغنم اور غنیمت دونوں ہم معنی ہیں: کہا جاتا ہے: غُنِمَ القوم غُنْمًا (قوم کو مال غنیمت عطا کیا گیا) جاننا چاہیے کہ اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ قول باری تعالیٰ: غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ سے مراد کفار کا وہ مال ہے جسے مسلمانوں نے غلبہ اور جنگ کے ساتھ حاصل کیا ہو۔ لغت اس تخصیص کا تقاضا نہیں کرتی جیسا کہ ہم نے اسے بیان کر دیا ہے، البتہ عرف شرع نے لفظ کو اس نوع کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کفار کی جانب سے ہمیں جو اموال حاصل ہوتے ہیں شریعت نے انہیں دو نام دیئے ہیں: ایک غنیمت اور دوسرا فئی۔ پس وہ مال جسے مسلمان اپنے دشمن سے جدوجہد اور گھوڑوں، اونٹوں کو جنگ میں استعمال کر کے حاصل کرتے ہیں اسے مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ اور یہ اسم اس معنی کے ساتھ لازم ہو چکا ہے حتیٰ کہ یہ عرف بن گیا ہے۔ اور فئی، فاء یفی سے ماخوذ ہے جب کوئی لوٹ آئے، رجوع کرلے اور اس سے مراد ہر وہ مال ہے جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے اور گھوڑوں، اونٹوں کو کام میں لائے بغیر حاصل ہو جائے، جیسا کہ زمینوں کا خراج، لوگوں پر عائد ہونے والا جزیہ اور غنائم کا خمس (3)۔

اسی طرح سفیان ثوری اور عطاء بن سائب رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی قسم کا مال ہیں اور ان دونوں میں خمس (پانچواں حصہ) ہے، یہ حضرت قتادہ نے کہا ہے (4)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فئی ہر اس مال سے عبارت ہے جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے حاصل ہوا ہو۔ دونوں معنی ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ جمہور کے نزدیک یہ آیت سورت کی پہلی آیت کے لیے ناسخ ہے۔ اور ابن عبدالبر نے اس پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت قول باری تعالیٰ: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ کے بعد نازل ہوئی ہے اور یہ کہ مال غنیمت کے چار خمس لشکریوں کے درمیان تقسیم کیے جائیں گے، جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ اس وقت نازل ہوئی جب غنائم بدر کے بارے میں اہل بدر کے درمیان اختلاف رونما ہوا، جیسا کہ سورت کی ابتداء میں گزر چکا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: جو کچھ اسماعیل بن اسحاق نے ذکر کیا ہے وہ اس کی صحت پر دلالت کرتا ہے انہوں نے کہا: محمد بن کثیر نے ہمیں بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں سفیان نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھے محمد بن سائب نے ابوصالح کے واسطہ سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 528 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً ☆ متن میں اسی طرح ہے مگر تفصیل میں پچیس ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا: جب غزوۂ بدر کا دن تھا تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: ''جس نے کسی آدمی کو قتل کیا تو اس کے لیے اتنا ہوگا اور جس نے کسی کو قیدی بنایا تو اس کے لیے اتنا ہوگا'' (1)۔ پس انہوں نے ستر آدمیوں کو قتل کیا اور ستر کو قیدی بنایا۔

ابوالیسر بن عمرو دو قیدیوں کو لے کر آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم بے شک آپ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ جس نے کسی کو قتل کیا تو اس کے لیے اتنا ہوگا، تحقیق میں دو قیدیوں کو لایا ہوں۔ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، بے شک ہمیں نہ تو اجر میں زیادتی کی خواہش نے روکا اور نہ دشمن کے سامنے بزدلی کے اظہار نے ہمیں روکا بلکہ ہم تو اس مقام پر اس خوف سے کھڑے رہے کہ کہیں مشرکین ادھر نہ مڑ آئیں، بلاشبہ آپ اگر انہیں عطا فرمائیں گے تو پھر آپ کے اصحاب کے لیے کوئی شے باقی نہ رہے گی۔ راوی فرماتے ہیں: وہ کچھ کہتے رہے اور وہ کچھ کہتے رہے پس یہ آیت نازل ہوئی: یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ پس انہوں نے مال غنیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا، بعد ازاں یہ آیت نازل ہوئی وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ، الآیہ۔ (2)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے، غیر منسوخ ہے اور یہ کہ مال غنیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور یہ لشکریوں کے درمیان تقسیم شدہ نہیں ہے اور اسی طرح آپ کے بعد آنے والے ائمہ کے لیے حکم ہے۔ اسی طرح مازری نے ہمارے بہت سے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم سے بیان کیا ہے: اور یہ کہ امام وقت کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے ان سے نکال لے۔ اور انہوں نے فتح مکہ اور قصہ حنین سے استدلال کیا ہے۔

ابوعبید کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ بزور شمشیر فتح کیا اور وہاں کے باسیوں پر احسان فرمایا اور اسے انہیں پر واپس لوٹا دیا اور اسے تقسیم نہ کیا اور نہ اسے ان کے لیے فئی قرار دیا۔ اور بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ آپ کے بعد ائمہ کے لیے بھی یہ جائز ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: اس بنا پر قول باری تعالیٰ: وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ کا معنی یہ ہوگا چار خمس امام کے لیے ہوں گے، اگر چاہے تو انہیں روک لے اور اگر چاہے تو انہیں لشکریوں کے درمیان تقسیم کر دے۔ اور یہ کوئی شے نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے اسے ذکر کر دیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مال غنیمت کی اضافت لشکریوں کی طرف کی ہے اور فرمایا ہے: وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ پھر خمس کو اس کے لیے معین کر دیا جس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا اور چار خمس سے سکوت اختیار کیا۔ جیسا کہ اس ارشاد وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ (النساء: 11) میں دو ثلث کے ذکر سے سکوت اختیار فرمایا، اس میں تو بالاتفاق باپ کے لیے دو ثلث ہیں۔ اسی طرح چار خمس بالاجماع لشکریوں کے لیے ہوں گے، جیسا کہ ابن منذر، ابن عبدالبر، داؤدی، مازری، قاضی عیاض اور علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی ذکر کیا ہے۔

اور اس معنی کے ساتھ خبر دینا بالکل ظاہر ہے اور اس کا کچھ بیان عنقریب آئے گا۔ اور قول باری تعالیٰ: یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 20　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر 2360، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

الْاَنْفَالِ الآیہ کا معنی ہوگا۔ وہ مال جس کی امام وقت جس کے لیے چاہے مصلحت کے پیش نظر تقسیم سے پہلے تنفیل کر سکتا ہے۔ حضرت عطا اور حسن رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: یہ اس مال کے ساتھ مخصوص ہے جو مشرکوں سے مسلمانوں کی طرف بھاگ کر آئے چاہے وہ غلام ہو یا لونڈی یا کوئی جانور۔ امام وقت اس کے بارے جو پسند کرے فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد انفال السرایا یعنی اس کے غنائم ہیں، اگر چاہے تو امام اس سے خمس نکالے اور اگر چاہے تو سارے کا سارا بطور تنفیل ادا کر دے۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے الامام یبعث السریۃ فیصیبون المغنم میں بیان کیا ہے: اگر چاہے تو امام سارے مال کو نفل بنا دے اور اگر چاہے تو اس کا خمس نکال لے۔ اور اسے ابو عمر نے مکحول اور عطا سے بیان کیا ہے۔ حضرت علی بن ثابت نے کہا ہے: میں نے مکحول اور عطا سے امام کے بارے پوچھا جو قوم کو اس مال کی تنفیل کرتا ہے جو انہوں نے حاصل کیا، تو فرمایا: وہ ان کے لیے ہے۔ ابو عمر نے کہا ہے: جو اس طرف گئے ہیں انہوں نے قول باری تعالیٰ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ کی تاویل کی ہے کہ وہ مال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے آپ جہاں چاہیں اسے خرچ کر سکتے ہیں۔ اور یہ نظریہ نہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اس ارشاد کے ساتھ: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ اس کے سوا ہے جو ہم نے اس کے بارے کتاب القبس فی شرح موطا مالک بن انس میں بیان کیا ہے۔

اور علماء میں سے کسی ایک نے اس بارے میں کوئی قول نہیں کیا جو میں جانتا ہوں کہ قول باری تعالیٰ: یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ، الآیہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ کے لیے ناسخ ہے، بلکہ جمہور نے کہا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کر دیا ہے: بے شک قول باری تعالیٰ: ماغنمتم ناسخ ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں کتاب اللہ میں تحریف و تبدیلی کا الزام جائز نہیں ہے۔

رہا فتح مکہ کا واقعہ تو اس میں کوئی دلیل نہیں، کیونکہ اس کی فتح میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابو عبید نے کہا ہے: ہم مکہ مکرمہ کے بارے نہیں جانتے کہ شہروں میں سے کسی کو اس کے ساتھ دو اعتبار سے مشابہت حاصل ہو: ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انفال و غنائم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص فرمائے ہیں جب تک اس نے کسی دوسرے کے لیے انہیں مقرر نہیں کیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے ہے: یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الآیہ، پس ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آپ کے لیے خاص ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے مکہ مکرمہ کے لیے ایسا طریقہ مقرر کیا جو دوسرے شہروں میں سے کسی کے لیے نہیں۔ اور جہاں تک حنین کے واقعہ کا تعلق ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو عوض عطا فرمایا جب انہوں نے کہا: آپ غنائم قریش کو عطا فرما رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کے خون ٹپک رہے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: أما ترضون أن یرجع الناس بالدنیا و ترجعون برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی بیوتکم (1) (کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ دنیا ساتھ لے کر لوٹیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر اپنے گھروں کو واپس جاؤ) اسے مسلم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ کسی

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 1، صفحہ 533

غیر کے لیے ایسا قول کرنا جائز نہیں، یہ فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ ہمارے بعض علماء نے کہا ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 3۔ علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں کہ قول باری تعالیٰ: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ اپنے عموم پر نہیں ہے، بلکہ خصوص اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ پس انہوں نے اسے اجماع کے ساتھ خاص کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ قاتل کے لیے مقتول کا سامان چھیننا اور سلب کرنا جائز ہے جب امام وقت اس کے بارے اعلان کرے اور اسی طرح قیدیوں کا بھی حکم ہے، اس بارے میں اختیار بلا اختلاف امام کے پاس ہے، جیسا کہ اس کا بیان آگے آرہا ہے۔ اور اس سے زمین کو بھی خاص کیا گیا ہے۔ اور معنی یہ ہے: جو مال غنیمت سونے، چاندی، تمام ساز و سامان اور قیدیوں میں سے تمہیں حاصل ہو۔ اور رہی زمین تو وہ اس آیت کے عموم میں داخل نہیں ہے، کیونکہ ابوداؤد نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: اگر دوسرے لوگ نہ ہوتے تو میں جس شہر کو بھی فتح کرتا اسے تقسیم کر دیتا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم فرمایا۔ اور جو دلیل اس مذہب کو صحیح قرار دیتی ہے وہ وہ روایت ہے جسے صحیح نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عراق نے اپنا قفیز اور اپنا درہم روک لیا ہے اور شام نے اپنا مد اور اپنا دینار روک لیا ہے“(1) الحدیث۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: حدیث طیبہ میں منعت بمعنی ستمنع ہے (یعنی عنقریب روک لیں گے)

تو یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ لشکریوں کے لیے نہیں ہوں گے، کیونکہ لشکری جس سامان کے مالک ہیں اس میں قفیز اور درہم نہیں ہوتے۔ اور اگر زمین بھی تقسیم کر دی جاتی تو غانمین کے بعد آنے والوں کے لیے کوئی شے نہ بچتی۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (الحشر: 10)

اس کا عطف اس قول پر ہے۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ (الحشر: 8) فرمایا: بے شک وہ سامان تقسیم کیا جائے گا جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: دارالحرب والوں سے مال غنیمت میں سے جو بھی حاصل ہو گا چاہے وہ قلیل ہو یا کثیر گھر ہو یا زمین، ساز و سامان ہو یا اس کے علاوہ کچھ، سب تقسیم کر دیا جائے گا، سوائے بالغ مردوں کے کیونکہ ان کے بارے میں امام وقت کو اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے تو وہ انہیں بطور احسان آزاد کر دے یا قتل کر دے یا قیدی بنا لے۔ اور جو بھی ان سے لیا گیا اور قیدی بنایا گیا اس (کی تقسیم کا) طریقہ وہی ہے جو مال غنیمت کا طریقہ ہے۔ اور انہوں نے آیت کے عموم سے استدلال کیا ہے۔ فرمایا: زمین بھی بالیقین مال غنیمت میں شامل ہے، لہٰذا واجب ہے کہ اسے بھی دیگر تمام غنائم کی مثل تقسیم کیا جائے۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا جو حصہ طاقت کے ساتھ فتح کیا تھا اسے تقسیم فرما دیا۔ انہوں نے کہا ہے: اگر زمین میں خصوص کا دعویٰ کرنا جائز ہے تو پھر زمین کے علاوہ میں بھی یہ دعویٰ جائز ہو گا نتیجۃً آیت کا حکم باطل ہو جائے گا۔

اور جہاں تک سورۃ الحشر کی آیت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حجت نہیں کیونکہ وہ تو مال فئی کے بارے میں ہے نہ کہ مال غنیمت کے بارے میں۔ اور قول باری تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (الحشر: 10) یہ نیا کلام ہے جو ان لوگوں کے لیے دعا کے متعلق ہے جو ایمان میں سبقت لے گئے یہ کسی اور معنی کے لیے نہیں۔ انہوں نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل زمین

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، جلد 2، صفحہ 74

سے متعلق آپ کے توقف کے بارے میں دو وجہوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہے: یا تو وہ غنیمت ہے آپ نے اس کے رہنے والوں کو اچھا پایا اور وہ زمین اس بارے میں موزوں تھی تو آپ نے اسے وقف کر دیا اور اس طرح جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے باسیوں میں سے اچھوں کو چن لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی ہوازن کے قیدیوں میں اسی طرح کیا، جب وہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے اپنے اصحاب میں سے اعلیٰ افراد کو ان چیزوں کے بارے چن لیا جو ان کے ہاتھوں میں تھیں یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو زمین وقف کی وہ مال فئی میں تھی پس اس صورت میں آپ کو کسی اور کی رضامندی کی ضرورت بھی نہ تھی۔

کوفیوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ زمین کی تقسیم یا اسے قائم رکھنے اور اس پر خراج مقرر کرنے کا اختیار امام وقت کو ہے۔ اور یہ زمین اسی طرح ان کی ملکیت ہو جاتی ہے جیسے صلح سے حاصل کی ہوئی زمین۔

ہمارے شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: گویا یہ دو دلیلوں کو جمع کرنا اور دو مذہبوں کے درمیان ایک درمیانی رائے ہے اور یہی وہ ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ بالیقین سمجھے، اسی لیے آپ نے فرمایا: اگر دوسرے لوگ نہ ہوتے، پس آپ نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کے منسوخ ہونے کی کوئی خبر نہ دی اور نہ ہی ان کے ساتھ ان کی تخصیص کی خبر دی ہے، مگر کوفیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل پر کچھ اضافہ کیا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی مصالح پر اسے وقف کیا اور اہل صلح کو اس کا مالک نہیں بنایا اور انہوں (کوفیوں) نے یہ کہا ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ وہ اہل صلح کو اس کا مالک بنا دے۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ اور ثوری رحمہم اللہ علیہم نے موقف اختیار کیا ہے کہ مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کے لیے نہیں ہے اور اس کا حکم مال غنیمت کے حکم کی مثل ہے، مگر یہ کہ امیر کہے: جس نے کسی کو قتل کیا تو اس سے چھینا ہوا سامان اس کے لیے ہوگا، تو اس صورت میں وہ سامان اسی کے لیے ہوگا۔

لیث، امام اوزاعی، امام شافعی، اسحاق، ابو ثور، ابو عبید، طبری اور ابن منذر رحمہم اللہ علیہم نے کہا ہے: ہر حال میں چھینا ہوا مال قاتل کے لیے ہوگا، چاہے امام نے وہ اعلان کیا ہو یا نہ کیا ہو، مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے: بلاشبہ چھینا ہوا مال قاتل کے لیے ہوگا بشرطیکہ اس نے اسے سامنے سے آتے ہوئے قتل کیا ہو۔ اور جب اس نے اسے پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے پیچھے سے جا کر قتل کیا تو سلب کیا ہوا مال اس کے لیے نہیں ہوگا۔ اصحاب شافعی میں سے ابو العباس بن سریج نے کہا ہے: یہ حدیث من قتل قتیلا فلہ سلبہ (1) اپنے عموم پر نہیں ہے، کیونکہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جس نے کسی قیدی یا عورت یا بوڑھے کو قتل کیا تو ان میں سے کسی سے چھینا ہوا مال اس کا نہ ہوگا۔ اور اسی طرح جس نے کسی زخمی کو مار دیا اور اسے قتل کر دیا جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے تھے (تو ان کا سامان قاتل کے لیے نہ ہوگا) فرمایا: اس شکست خوردہ کا حکم بھی اسی طرح ہے، جس کے شکست کھانے میں اور پسپا ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، تو وہ بندھے ہوئے آدمی کی مثل ہے۔ فرمایا: پس اس سے معلوم ہو گیا کہ سلب شدہ مال کو جو قاتل کے لیے بنایا گیا ہے تو وہ کسی زائد معنی کی وجہ سے ہے یا پھر اس کے لیے ہے جس کے قتل میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 87

فضیلت ہوا اور وہ قاتل کے سامنے ہونا ہے، کیونکہ اس صورت میں (مقابلے کی) مشقت ہوتی ہے۔ اور رہا وہ جس کے لیے زخموں کے سبب مقابلہ کرنا یا بھاگنا دوڑنا مشکل ہو جائے تو اسے قتل کرنے میں سامان قاتل کے لیے نہ ہوگا۔ اور علامہ طبری نے کہا ہے: چھینا ہوا مال قاتل کے لیے ہوگا، چاہے وہ اسے سامنے سے آتے ہوئے قتل کرے یا پیٹھ کے پیچھے سے، بھاگتے ہوئے یا مقابلہ کرتے ہوئے بشرطیکہ وہ میدان جنگ میں ہو۔

اس کا رد اس روایت میں ہوتا ہے جس کا ذکر عبدالرزاق اور محمد بن بکر نے ابن جریج سے کیا ہے انہوں نے کہا میں نے نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ہم مسلسل یہ سنتے رہے ہیں کہ جب مسلمان اور کفار میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مقابل ہوں اور مسلمانوں میں سے کوئی آدمی کفار میں سے کسی آدمی کو قتل کر دے تو بلاشبہ اس کا چھینا ہوا مال اس کے لیے ہوگا، مگر یہ کہ وہ انتہائی زوردار جنگ کے دوران قتل ہو، کیونکہ اس وقت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس نے اسے قتل کیا ہے۔ پس اس قول کا ظاہر طبری کے اس قول کا رد کرتا ہے کہ انہوں نے چھینے ہوئے مال میں یہ شرط لگائی ہے کہ قتل میدان جنگ میں ہو۔ اور ابوثور اور ابن منذر نے بیان کیا ہے کہ چھینا ہوا مال قاتل کے لیے ہوگا چاہے وہ میدان جنگ میں ہو یا باہر، سامنے کی جانب ہو یا پیچھے کی جانب، بھاگتے ہوئے یا مقابلے کے لیے شوخی کا اظہار کرتے ہوئے ہو، تمام حالتوں میں (چھینا ہوا مال قاتل کے لیے ہوگا) کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عام ہے: مَنْ قتل قتیلا فله سلبه (1) (جس کسی نے کسی مقتول کو قتل کیا تو اس سے چھینا ہوا مال اس کے لیے ہوگا)

میں (مفسر) کہتا ہوں: امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے انہوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بنی ہوازن کی جنگ میں شریک تھے پس اس اثناء میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک سرخ اونٹ پر ایک آدمی آیا، اس نے اپنا اونٹ بٹھایا، پھر اونٹ کے تنگ سے رسی کھولی اور اس کے ساتھ اونٹ کو باندھ دیا، پھر آگے بڑھا اور قوم کے ساتھ مل کر کھانا کھانے لگا اور غور سے دیکھنے لگا۔ اور ہم میں کمزور لوگ بھی تھے ان کی سواریاں بھی نحیف اور لاغر تھیں اور بعض ہم میں پیدل تھے، جب کہ وہ تیزی کے ساتھ نکلا، اپنی سواری کے پاس آیا، اس کی رسی (ڈھنگا) کو کھولا پھر اسے بٹھایا اور اس پر بیٹھ گیا اور اسے تیز چلا دیا اور اونٹ اسے لے کر خوب تیزی سے چلنے لگا، تو ایک آدمی نے خاکستری رنگ کی اونٹنی پر اس کا پیچھا کیا۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں انتہائی تیزی کے ساتھ نکلا اور میں اونٹنی کی سرین کے قریب ہو گیا، پھر میں مزید آگے بڑھا یہاں تک کہ میں اونٹ کی سرین کے قریب ہو گیا، پھر مزید آگے بڑھا یہاں تک کہ اونٹ کی مہار کو پکڑ لیا اور اسے بٹھایا، پس جب اس نے اپنا گھٹنا زمین پر رکھا میں نے اپنی تلوار سونتی اور اس آدمی کے سر پر ماری تو وہ گر پڑا (یعنی مر گیا) پھر میں اس اونٹ کو پکڑ کر لے آیا، اس پر اس کا کجاوہ (بمع ساز و سامان) اور اس کے ہتھیار بھی تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا استقبال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور لوگ بھی تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کس نے اس آدمی کو قتل کیا"؟ لوگوں نے عرض کی: ابن

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 87

اکوع نے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: له سلبه اجمع (1) اس سے چھینا ہوا تمام مال اس کے لیے ہے۔ پس یہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے اسے بھاگتے ہوئے قتل کیا نہ کہ سامنے سے آتے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے چھینا ہوا مال اسے عطا فرما دیا۔ اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے لیے حجت ہے کہ امام کی اجازت کے بغیر قاتل سلب شدہ مال کا مستحق نہیں ہوتا، کیونکہ اگر نفس قتل کے ساتھ ہی وہ اس کے لیے ثابت ہو جاتا تو آپ کو یہ قول مکرر لانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور آپ کی حجت وہ روایت بھی ہے جسے ابو بکر بن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے انہوں نے بیان کیا: ابو الاحوص نے اسود بن قیس سے انہوں نے بشر بن علقمہ سے ہمیں روایت بیان کی ہے کہ جنگ قادسیہ کے دن میں نے ایک آدمی کو دعوت مبارزت دی اور میں نے اسے قتل کر دیا اور اس کا مال لے لیا، پھر میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو خطاب کیا پھر فرمایا: یہ بشر بن علقمہ کا چھینا ہوا مال ہے اور یہ بارہ ہزار درہم سے بہتر (اور زیادہ) ہے۔ اور ہم نے یہ اسے بطور تنفیل (انعام) دے دیا۔ پس اگر چھینا ہوا مال قاتل کے لیے ہوتا اور محض حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قضا سے ہوتا تو پھر اس چیز کی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ اپنے اجتہاد کے ساتھ امر کی نسبت اپنی ذاتوں کی طرف کریں اور یقیناً قاتل ان کے امر کے بغیر اس سامان کو لے سکتا۔ واللہ اعلم

اور صحیح میں ہے کہ حضرت معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہما نے اپنی تلواروں کے ساتھ ابو جہل پر حملہ کیا، یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا، پھر وہ دونوں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے''؟ تو ان دونوں میں سے ہر ایک نے عرض کی: میں نے اسے قتل کیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں تلواروں کو غور سے دیکھا اور فرمایا: ''تم دونوں نے ہی اسے قتل کیا ہے'' (2)۔ اور پھر اس سے چھینے ہوئے مال کا فیصلہ حضرت معاذ بن عمرو بن جموح کے حق میں فرمایا۔ تو یہ اس پر نص ہے کہ سلب کیا ہوا مال قاتل کے لیے نہیں، کیونکہ اگر اس کے لیے ہوتا تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے ان دونوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے۔

اور صحیح میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے انہوں نے کہا: میں ان کے ساتھ نکلا جو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں غزوۂ موتہ کے لیے نکلے تھے۔ اور یمن سے آنے والے معاونین اور مددگاروں میں سے ایک آدمی نے میری مرافقت اور سنگت اختیار کی۔ آگے حدیث بیان کی۔ اس میں ہے کہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: اے خالد! کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کیے ہوئے مال کا فیصلہ قاتل کے لیے کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں، لیکن میں اسے کثیر سمجھتا ہوں (3)۔ ابو بکر برقانی نے اپنی اس اسناد کے ساتھ اسے روایت کیا ہے جس کے ساتھ مسلم نے اسے روایت کیا اور اس میں یہ زائد ذکر کیا کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کیے ہوئے مال کا خمس نہیں نکالا اور بے شک وہ معاون و مددگار غزوۂ موتہ میں ان کا ساتھی تھا جو شام کی طرف سے آیا ہوا تھا، اس نے کہا: ان میں سے ایک رومی بڑی شدت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرنے لگا اور وہ اشقر (سرخ و زرد رنگ) گھوڑے پر سوار تھا۔ زین سنہری تھی، کمر کا کپڑا لتھڑا ہوا تھا اور تلوار سونے کے ساتھ آراستہ کی ہوئی تھی۔ راوی نے بیان کیا: وہ انہیں اکسار ہا تھا، فرمایا: پس میرا معاون

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 89-88　　2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 88　　3۔ ایضاً

ان کے لیے مہربان ہوا (یعنی اس نے اپنا رخ اس کی طرف پھیرا) یہاں تک کہ اس کے پاس سے گزرا اور اس کے گھوڑے کی کونچوں پر وار کیا اور وہ گر پڑا اور اس نے اسے تلوار کے ساتھ اٹھایا اور اسے قتل کر دیا اور اس کا اسلحہ لے لیا۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وہ اسے دیا اور اس میں سے کچھ روک لیا۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس میں نے انہیں کہا: یہ سارے کا سارا اسے عطا فرما دو۔ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا ہے: السلب للقاتل (سلب کیا ہوا مال قاتل کے لیے ہے) انہوں نے فرمایا: ہاں، لیکن میں اسے زیادہ خیال کرتا ہوں۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میرے اور ان کے درمیان گفتگو ہوئی، تو میں نے انہیں کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور آگاہ کروں گا۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے تو حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''تم نے اسے کیوں نہیں دیا''؟ تو انہوں نے عرض کی: میں نے اسے بہت زیادہ سمجھا۔ آپ نے فرمایا: ''پس تم اسے وہ سب دے دو'' تو میں نے انہیں کہا: کیا میں نے آپ کے لیے وہ وعدہ پورا نہیں کر دیا جو میں نے تمہارے ساتھ کیا تھا؟ راوی کہتے ہیں: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں ہو گئے اور فرمایا: ''اے خالد تو اسے نہ دینا کیا تم میرے لیے میرے امراء (افسر) کو چھوڑ رہے ہو'' (1)۔ تو یہ اس پر واضح دلیل ہے کہ قاتل سلب کیے ہوئے مال کا نفس قتل سے مستحق نہیں ہوتا، بلکہ امام کی رائے اور اس کی نظر سے اس کا مستحق ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ نے کہا ہے: سوائے خاص مقابلہ کے سلب کیا ہوا مال قاتل کے لیے نہیں ہوگا۔

مسئلہ نمبر 5۔ چھینے ہوئے مال سے خمس نکالنے کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔ اور ابو اسحاق نے کہا ہے: اگر چھینا ہوا مال تھوڑا ہو تو وہ قاتل کے لیے ہوگا اور اگر زیادہ ہو تو پھر اس سے خمس لیا جائے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا ہی کیا جس وقت وہ مرزبان کے مقابل ہوئے اور اسے قتل کر دیا، تو اس کے کمر بند اور اس کے کنگنوں کی قیمت تیس ہزار تھی تو آپ نے اس کا خمس نکالا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے مشرکین کے سو آدمی قتل کیے مگر مقابلہ ایک آدمی کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے حب زارہ (بحرین کا ایک گاؤں) پر حملہ کیا تو الزارہ کے دہقان نکل آئے اور انہوں نے کہا: ایک ایک آدمی ایک دوسرے کے مقابل تھا، پس حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس (مرزبان) سے مقابلہ کیا دونوں کی ایک دوسرے کے خلاف تلواریں چلیں، پھر دونوں نے ایک دوسرے کا گلا پکڑ لیا اور حضرت براء نے اسے سرین کے بل گرا دیا اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے، پھر تلوار پکڑی اور اسے ذبح کر دیا۔ اس کے ہتھیار اور اس کا کمر بند اٹھا لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے، تو آپ نے ہتھیار انہیں بطور انعام (نفل) عطا فرما دیئے اور کمر بند کی تیس ہزار قیمت لگائی پھر اس سے خمس نکالا اور فرمایا: بے شک یہ مال ہے۔ اور امام اوزاعی اور مکحول رحمہما اللہ علیہ نے بیان کیا ہے: چھینا ہوا مال، مال غنیمت ہے اور اس میں خمس بھی ہے۔ اور اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی حجت وہ روایت ہے جسے ابو داؤد نے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 88

عوف بن مالک اشجعی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول سے چھینے ہوئے مال کا قاتل کے لیے فیصلہ فرمایا اور اس چھینے ہوئے مال سے خمس نہیں لیا۔

مسئلہ نمبر 6۔ جمہور علماء نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سلب کیا ہوا مال قاتل کو نہیں دیا جائے گا مگر اس صورت میں کہ وہ اس قتل کرنے پر گواہ پیش کرے۔ ان میں سے اکثر نے کہا ہے: ایک شاہد کی شہادت کافی ہوگی۔ ان کی بنیاد حضرت ابوقتادہ کی حدیث پر ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو گواہ ہوں یا پھر ایک شاہد ہو اور ساتھ قسم بھی ہو۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: قاتل کو چھینا ہوا مال صرف دعویٰ کے ساتھ دے دیا جائے گا، اس کے استحقاق کے لیے بینہ شرط نہیں ہے، بلکہ اگر وہ اس پر متفق ہو جائے تو پھر تنازعہ ختم کرنے کے لیے بینہ لانا اولیٰ ہے۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو مقتول سے چھینا ہوا مال بغیر کسی شہادت اور قسم کے عطا فرمایا۔ اور ایک آدمی کی شہادت کافی نہیں ہوگی اور نہ صرف اس کے ساتھ کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ لیث بن سعد نے یہی کہا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: میں نے اپنے شیخ الحافظ المنذری الشافعی ابو محمد عبدالعظیم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسود بن خزاعی اور عبداللہ بن انیس کی شہادت کے ساتھ انہیں مقتول کا مال عطا فرمایا۔ اس بنا پر تو نزاع ختم ہو جاتا ہے اور اشکال زائل ہو جاتا ہے اور حکم جاری رہے گا۔ اور رہے مالکیہ! تو وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ امام وقت کو اس بارے میں بینہ کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ ابتداءً امام کی طرف سے عطیہ ہے، پس اگر وہ شہادتیں شرط قرار دے تو اسے یہ اختیار ہے اور اگر شرط نہ قرار دے تو یہ جائز ہے کہ وہ اسے بغیر شہادت کے عطا کر دے۔

مسئلہ نمبر 7۔ سلب کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے کہ وہ کیا ہے؟ بس ہتھیار اور وہ تمام چیزیں جو جنگ کے لیے ضرورت ہوتی ہے اس کے سلب ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے اور گھوڑا بھی اس میں داخل ہے اگر اس نے اس پر قتال کیا ہو اور اس سے اسے گرایا گیا ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے گھوڑے کے بارے کہا ہے کہ وہ سلب میں شامل نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اس کی تھیلی اور کمر بند میں دنانیر یا جواہر یا اسی طرح کی اور کوئی شی ہو تو بالاتفاق وہ مال سلب میں سے نہیں ہے۔ اور اس مال کے بارے اختلاف ہے جس کے ساتھ وہ جنگ کے لیے مزین اور آراستہ ہوتا ہے، پس امام اوزاعی نے کہا ہے: وہ سارے کا سارا مال سلب میں سے ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے: وہ سلب میں سے نہیں ہے۔ اور یہ حضرت سحنون رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، سوائے کمر بند کے کیونکہ ان کے نزدیک وہ سلب میں سے ہے۔ اور ابن حبیب نے "الواضحہ" میں کہا ہے: کنگن مال سلب میں سے ہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 8۔ قولہ تعالیٰ: فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ ابو عبید نے کہا ہے: یہ اس سورت کی پہلی آیت قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ کے لیے ناسخ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم بدر میں سے خمس نہیں نکالا تھا، پس اس آیت کے ساتھ خمس نہ نکالنے کے بارے میں آپ کا فیصلہ منسوخ ہو گیا، مگر صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے: کہ "بدر کے دن

1۔ المحرر الوجیز، زیر آیت

مال غنیمت میں سے میرے حصے میں دو سال کی اونٹنی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن خمس سے دو سال کی اونٹنی مجھے عطا فرمائی" (1) الحدیث۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس نکالا، پس اگر معاملہ اس طرح ہے تو پھر ابو عبید کا قول مردود ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے: یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ خمس جس کا ذکر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا ہے وہ ان غزوات میں سے کسی کا ہو جو بدر اور احد کے درمیان وقوع پذیر ہوئے۔ اور وہ غزوۂ بنی سلیم، غزوہ بنی مصطلق، غزوہ ذی امر اور غزوہ بحران ہیں۔ ان میں کوئی یادگار جنگ تو نہیں ہوئی، لیکن یہ ممکن ہے کہ مال غنیمت حاصل کیا گیا ہو (2)۔ واللہ اعلم

میں (مفسر) کہتا ہوں: اس تاویل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول میں یومئذ کے الفاظ رد کرتے ہیں، کیونکہ اشارہ اس دن کی طرف ہے جس میں بدر کے غنائم کو تقسیم کیا گیا، مگر یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ خمس سے ہو اگرچہ بدر کے غنائم سے خمس نہ بھی نکالا گیا ہو، (وہ) سریہ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے خمس میں سے ہو، کیونکہ وہی پہلا مال غنیمت ہے جو اسلام میں حاصل ہوا اور پہلا خمس ہے جو اسلام میں نکالا گیا تھا۔ بعد ازاں قرآن کریم میں وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وا ارشاد نازل ہوا۔ اور یہ پہلی تاویل سے اولیٰ اور بہتر ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 9۔ قول باری تعالیٰ: ما غنمتم میں ما بمعنی الذی ہے اور اس میں ھا ضمیر محذوف ہے۔ (اصل میں) الذی غنمتموہ ہے۔ اور اس میں (یعنی فان فیہ) فا داخل کی گئی ہے کیونکہ کلام میں مجازات کے معنی ہیں اور دوسراان پہلے کے لیے تاکید ہے۔ اور اس پر کسرہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور یہ ابو عمرو سے مروی ہے۔ حسن نے کہا ہے: یہ مفتاح کلام ہے۔ دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے، اسے نسائی نے ذکر کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فئی اور خمس کے بارے کلام کا آغاز اپنی ذات کے ذکر سے کیا ہے، کیونکہ یہ دونوں انتہائی اشرف و اعلیٰ کسب (کمائی) ہیں اور صدقہ کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا ہے، کیونکہ وہ لوگوں کی میل ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ خمس کی تقسیم کی کیفیت میں علماء کے مابین اختلاف ہے اس بارے چھ اقوال ہیں:

(۱) ایک جماعت نے کہا ہے: خمس کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، پس چھٹا حصہ کعبہ معظمہ کے لیے رکھا جائے گا اور یہی وہ حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور دوسرا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا۔ تیسرا حصہ ذوی القربیٰ کے لیے۔ چوتھا یتامیٰ کے لیے۔ پانچواں حصہ مساکین کے لیے۔ اور چھٹا حصہ ابن سبیل کے لیے ہوگا۔ یہ قول کرنے والوں میں سے بعض نے کہا ہے: وہ حصہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

(۲) ابو العالیہ اور ربیع نے کہا ہے: مال غنیمت پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا، پھر ان میں سے ایک حصہ الگ کر لیا جائے گا اور بقیہ چار حصے لوگوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے، پھر اس جدا کیے گئے حصہ پر اپنا ہاتھ مارا جائے گا پس اس میں سے جس شی پر قبضہ کر لیا گیا اسے کعبہ معظمہ کے لیے مقرر کر دیا جائے، پھر اس باقی ماندہ حصہ کو پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا جائے گا، ایک حصہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا، ایک حصہ ذوی القربیٰ کے لیے، ایک یتامیٰ کے لیے، ایک حصہ مساکین کے لیے اور

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، جلد 2، صفحہ 63 2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 529

ایک حصہ ابن سبیل کے لیے ہوگا۔

(۳) منہال بن عمرو نے کہا ہے: میں نے عبداللہ بن محمد بن علی اور علی بن حسین سے خمس کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ ہمارے لیے ہے۔ میں نے علی کو کہا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ تو انہوں نے فرمایا: مراد ہمارے یتیم اور ہمارے مساکین ہیں۔

(۴) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اسے پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور آپ نے اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کو ایک قرار دیا ہے اور یہ کہ اسے مومنین کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔ اور بقیہ چار حصے آیت میں مذکور چار صنفوں پر خرچ کیے جائیں گے۔

(۵) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اسے تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا: یتامیٰ، مساکین اور ابن سبیل پر۔ اور آپ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا حکم آپ کے وصال کے ساتھ ختم ہو چکا ہے، جیسا کہ آپ کے اپنے حصہ کا حکم ختم ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے: خمس کو پلوں کی اصلاح، مساجد کی تعمیر، قضاۃ اور لشکریوں کی تنخواہ وغیرہ کے لیے خرچ کیا جائے گا۔ اسی طرح کا حکم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔

(۶) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اسے امام کی رائے اور اجتہاد کے سپرد کر دیا جائے گا۔ پس وہ اس سے بغیر اندازے کے لے سکتا ہے اور اس سے اجتہاد کے ساتھ رشتہ داروں کو دے سکتا ہے اور باقی ماندہ مسلمانوں کے مصالح کے لیے خرچ کرے گا۔ اسی طرح خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہے اور اسی کے مطابق عمل کیا ہے۔ اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے: مالی مما أفاء اللہ علیکم إلا الخمس والخمس مردود علیکم (1) ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مال غنیمت عطا فرمایا ہے میرے لیے اس میں سے سوائے خمس کے کچھ نہیں اور خمس بھی تم پر لوٹا دیا جائے گا''۔ کیونکہ آپ نے اسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے اور نہ تین حصوں میں اور آیت میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ محض ان پر تنبیہ کے لیے ذکر کر دیا گیا، کیونکہ وہ ان میں سے زیادہ اہم ہیں جنہیں وہ دیا جا سکتا ہے۔ زجاج نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے لیے حجت بیان کرتے ہوئے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ''آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرمائیے: جو کچھ خرچ کرو (اپنے) مال سے تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں''۔

اور آدمی کے لیے بالاجماع ان اصناف کے علاوہ کہیں اور خرچ کرنا جائز ہے جب وہ اسے زیادہ مستحق سمجھے۔ اور نسائی نے حضرت عطا سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا خمس اور اس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا خمس ایک ہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے لیتے تھے اور اس سے عطا بھی فرماتے تھے اور اسے جہاں چاہتے خرچ کرتے اور اس سے جو چاہتے بناتے۔

مسئلہ نمبر 11۔ قولہ تعالیٰ: وَلِذِي الْقُرْبٰى اس میں لام بیان استحقاق اور ملکیت کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ مصرف اور

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الصدقات، جلد 7، صفحہ 17

محل بیان کرنے کے لیے ہے اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ فضل بن عباس اور ربیعہ ابن عبدالمطلب دونوں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، ان میں سے ایک نے گفتگو کی اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تمام لوگوں سے زیادہ نیک ہیں (1) اور عام لوگوں سے بڑھ کر آپ لوگوں کو ملانے والے ہیں۔ تحقیق ہم نکاح کی عمر کو پہنچ چکے ہیں ہم آپ کے پاس حاضر ہیں تا کہ آپ ہمیں ان بعض صدقات پر امارت عطا فرما دیجئے، تو ہم آپ کو اسی طرح ادا کریں گے جیسے لوگ ادا کرتے ہیں اور ہم اسی طرح حصہ دیں گے جیسے لوگ دیتے ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم طویل وقت تک خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے آپ سے کلام کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ فرماتے ہیں: حضرت زینب رضی اللہ عنہا پردے کے پیچھے سے ہمیں اشارہ فرما رہی تھیں کہ تم آپ سے کلام نہ کرنا۔ راوی کا بیان ہے: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک صدقہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہیں بلاشبہ وہ لوگوں کی میل ہے، تم دونوں محمیہ کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ وہ خمس پر مامور تھے۔ اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو بلا کر لاؤ''۔ بیان فرمایا: پھر وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے محمیہ کو فرمایا: ''تو اس بچے یعنی فضل بن عباس کا نکاح اپنی بچی سے کر دے''۔ تو اس نے ان کا نکاح کر دیا اور نوفل بن حارث کو فرمایا: ''تو اس بچے یعنی ربیعہ بن عبدالمطلب کا نکاح اپنی بیٹی سے کر دے'' اور پھر محمیہ کو فرمایا: ''تو ان دونوں کی طرف سے خمس میں سے اتنا اتنا صدقہ کر دے''۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مال فئی عطا فرمایا ہے اس میں سے سوائے خمس کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور وہ خمس بھی تم پر لوٹا دیا گیا ہے''۔ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ تمام اصناف کو عطا کیا اور بعض کو بھی اور آپ نے اس میں سے مؤلفۃ قلوب کو بھی دیا۔ اور یہ ان میں سے نہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تقسیم میں فرمایا ہے۔ پس یہ اس پر دلیل ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ علماء نے ذوی القربیٰ کے بارے میں اختلاف کیا ہے اور اس بارے میں تین اقوال ہیں:

(۱) تمام کے تمام قریش، یہ قول بعض سلف نے کہا ہے، کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صفا پہاڑی پر چڑھے اور آپ بلند آواز سے پکارنے لگے: ''اے بنی فلاں، اے بنی عبد مناف، اے بنی عبدالمطلب، اے بنی کعب، اے بنی مرہ، اے بنی عبد شمس اپنے آپ کو آتش جہنم سے بچالو'' (الحدیث) عنقریب اس کا بیان سورۃ الشعراء میں آئے گا۔

(۲) امام شافعی، امام احمد، ابوثور، مجاہد، قتادہ، ابن جریج اور مسلم بن خالد رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے: وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ذوی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے درمیان تقسیم فرمایا تو فرمایا: ''بلاشبہ انہوں نے مجھے جدا نہیں کیا نہ زمانہ جاہلیت میں اور نہ زمانہ اسلام میں بے شک بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب (2) ایک ہی شے ہیں''۔ اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے جال بنایا، اسے نسائی اور بخاری نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: لیث نے بیان کیا کہ مجھے یونس نے بتایا اور یہ زائد بیان کیا: حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد شمس اور بنی نوفل کے لیے کوئی شے تقسیم نہیں کی۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، جلد 1، صفحہ 344

2۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 4، صفحہ 81

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے: عبدشمس، ہاشم، مطلب یہ سب ماں کی جانب سے بھائی ہیں اور ان کی ماں عاتکہ بنت مرہ تھی اور نوفل ان کے باپ کی جانب سے ان کا بھائی تھا۔ امام نسائی نے کہا ہے: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربیٰ کو حصہ دیا اور وہ (ذوی القربیٰ) بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں، ان میں غنی بھی ہیں اور فقیر بھی۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک ان میں سے فقیر کے لیے تو حصہ ہے لیکن غنی کے لیے نہیں، جیسا کہ یتامی اور ابن سبیل کے لیے ہے۔ اور میرے نزدیک راہ صواب کے زیادہ قریب دونوں قولوں میں سے یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس میں صغیر و کبیر اور مونث و مذکر سبھی برابر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان کے لیے قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اسے تقسیم فرمایا ہے۔ اور حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہو۔

(۳) ذوی القربیٰ سے مراد صرف بنو ہاشم ہیں۔ اسے مجاہد اور علی بن حسین نے بیان کیا ہے۔ اور یہی امام مالک، ثوری اور اوزاعی وغیرہم کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ جب اللہ تعالیٰ نے خمس کا بیان فرمایا ہے اور بقیہ چار حصوں سے سکوت فرمایا ہے، تو یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ لشکریوں کی ملکیت ہیں۔ اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے اس ارشاد کے ساتھ بیان کیا ہے: ''جس بستی کے رہنے والوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو بلاشبہ اس بستی کا خمس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے پھر وہ تمہارے لیے ہے'' (1)۔ اور یہ وہ ہے جس میں ندامت کے درمیان اختلاف ہے اور نہ ہی ائمہ کے درمیان، جیسا کہ اسے علامہ ابن عربی نے احکام وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ مگر یہ کہ اگر امام قیدیوں کو رہا کر کے ان پر احسان کرنا چاہے تو وہ کر لے۔ اور ان میں غانمین کے حقوق باطل ہو جائیں گے، جیسا کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ بن اثال وغیرہ کے ساتھ کیا اور فرمایا: ''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا پھر وہ ان قیدیوں (مراد بدر کے قیدی ہیں) کے بارے گفتگو کرتا تو میں اس کے لیے انہیں چھوڑ دیتا'' (2)۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے درحقیقت قریش مکہ کے معاہدہ کو توڑنے میں اس نے جو کردار ادا کیا تھا اس کے بدلہ کے لیے آپ نے یہ فرمایا: اور امام کو اختیار ہے کہ وہ تمام قیدیوں کو قتل کر دے۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط کو قیدیوں کے درمیان سے پکڑ کر قتل کر دیا اور اسی طرح نضر بن حارث کو صفراء کے مقام پر پکڑ کر قتل کیا اور یہ وہ حکم ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دوسرے لشکریوں کے حصہ کی طرح حصہ ہوتا تھا چاہے آپ جنگ میں حاضر ہوتے یا وہاں سے غائب ہوتے۔ اور صفی کا حصہ بھی ہوتا، آپ تلوار، تیر یا خادم یا کوئی جانور چن سکتے تھے۔ حضرت صفیہ بنت حیی خیبر کے غنائم میں سے چنی ہی گئی تھیں (3)۔ اور اسی طرح ذوالفقار (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلوار کا نام ہے) بھی صفی میں سے تھی (4)۔ اور یہ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ ختم ہو گیا۔ مگر ابو ثور کے نزدیک اب

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، صفحہ 74
2۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجہاد، جلد 5، صفحہ 209
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، حدیث نمبر 2600، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ جامع ترمذی، حدیث نمبر 1485۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، حدیث نمبر 2797، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بھی امام وقت کے لیے یہ حصہ باقی ہے وہ اسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کے استعمال کی جگہ استعمال کر سکتا ہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اہل جاہلیت اپنے سردار کے لیے مال غنیمت کا چوتھائی حصہ رکھتے تھے۔ ان کے شاعر نے کہا ہے:

لك المرباع منها والصفايا　　وحُكْمُك والنَّشِيطةُ والفُضول

اور دوسرے شاعر نے کہا ہے:

مِنَّا الذی رَبَعَ الجیوش لصُلبه　　عشرون وهو یُعَدُّ فی الأحیاء

کہا جاتا ہے: رَبَعَ الجیشَ یَرْبَعہ رباعۃ جب وہ مال غنیمت کا چوتھائی حصہ لے لے۔ اصمعی نے کہا ہے: جاہلیت میں چوتھائی حصہ تھا اور اسلام میں پانچواں حصہ ہے۔ پس اس وقت سردار بغیر کسی شریعت اور دین کے مال غنیمت سے چوتھائی حصہ لیتا تھا اور اس سے جو چاہتا چن لیتا تھا، پھر صفی کے بعد جس شی کے بارے چاہتا اسی کے مطابق وہ فیصلہ کر دیتا اور گھریلو سامان اور دیگر ساز و سامان میں سے کوئی شی جو اس سے الگ ہوتی اور اس سے بچتی وہ اس کے لیے ہوتی، پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ اس کے لیے دین کا حکم نافذ فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صفی (چناؤ) کا حصہ باقی رکھا اور زمانہ جاہلیت کا حکم ساقط کر دیا۔

اور عامر شعبی نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک حصہ تھا وہ صفی کہلاتا تھا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غلام یا کنیز یا گھوڑے میں سے چاہتے تو آپ اسے خمس نکالنے سے پہلے چن سکتے تھے، اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے انہوں نے بیان کیا: پس کسی غلام سے ملتے اور کہتے: ''اے فلاں! کیا میں نے تجھے عزت عطا نہیں کی اور تجھے سردار نہیں بنایا اور تیری شادی نہیں کروائی اور تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ کو مسخر نہیں کیا اور تجھے چھوڑ نہیں دیا تو سردار بن جا اور چوتھائی لے'' (1) الحدیث۔

اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں تربع کا معنی ہے تأخذ المرباع یعنی تیری قوم کو غنائم اور دیگر کمائی میں سے جو مال حاصل ہوتا ہے اس سے چوتھائی لے۔ بعض اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ خمس کا خمس حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا آپ اسے اپنی اولاد اور اپنی ازواج مطہرات کی حاجات پورا کرنے کے لیے خرچ کرتے تھے اور اپنے سال بھر کی خوراک اس سے ذخیرہ کر لیتے تھے۔ اور باقی ماندہ گھوڑوں اور اسلحہ وغیرہ میں خرچ کرتے تھے۔ اسے وہ روایت رو کرتی ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: بنی نضیر کے اموال ان میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے لیکن اس پر مسلمانوں نے گھوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ کوئی سعی نہیں کی، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھے، آپ اس میں سے اپنی ذات پر سال بھر کی خوراک خرچ کرتے تھے اور ما بقی فی سبیل اللہ گھوڑوں اور اسلحہ کی تیاری میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور فرمایا: والخمس مردود علیکم ''اور خمس بھی تم پر لوٹا دیا گیا ہے''۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 409

مسئلہ نمبر 14۔ کتاب اللہ میں گھوڑ سوار کو پیدل پر فضیلت دینے کے بارے کچھ نہیں ہے، بلکہ اس میں یہ ہے کہ وہ سب برابر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمس کے بعد بقیہ چار حصے ان کے لیے رکھے ہیں اور اس میں پیدل کو گھوڑ سوار سے خاص نہیں کیا۔ اگر حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخبار وارد نہ ہوتیں تو یقیناً گھوڑ سوار پیدل کی طرح ہوتا، غلام آزاد کی مثل ہوتا اور بچہ بالغ کے برابر ہوتا۔

علماء نے ان چار حصوں کی تقسیم میں اختلاف کیا ہے، پس وہ موقف جو اس بارے میں عام اہل علم نے اپنایا ہے اسے ابن منذر نے ذکر کیا ہے کہ گھوڑ سوار کو دو حصے دیئے جائیں گے اور پیدل کو ایک حصہ۔ اور جنہوں نے یہ کہا ہے ان میں امام مالک بن انس ہیں اور اہل مدینہ میں سے جو ان کے متبعین ہیں۔ اسی طرح امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور اہل شام میں سے وہ جنہوں نے ان سے موافقت کی ہے۔ اور اسی طرح ثوری اور اہل عراق میں جو ان کے ہم خیال ہیں نے کہا ہے اور یہی لیث بن سعد کا قول ہے اور ان اہل مصر میں سے جنہوں نے ان کی اتباع کی ہے۔ اور اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے۔ اسی کے مطابق امام احمد بن حنبل، اسحاق، ابوثور، یعقوب اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے: ہم کسی کو نہیں جانتے سوائے حضرت نعمان (امام ابوحنیفہ) کے جس نے اس میں اختلاف کیا ہو، کیونکہ آپ نے اس میں سنن اور جس نظریہ پر قدیم وجدید عظیم اہل علم ہیں سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے: گھوڑ سوار کو بھی صرف ایک حصہ دیا جائے گا۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: شاید اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے شبہ واقع ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑ سوار کے لیے دو حصے رکھے اور پیدل کے لیے ایک حصہ۔ اسے دارقطنی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے: رمادی نے کہا ہے اسی طرح ابن نمیر کہتے ہیں کہ ہمیں نیشاپوری نے بتایا: یہ میرے نزدیک ابن ابی شیبہ یا رمادی کی جانب سے وہم ہے۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل اور عبدالرحمن بن بشر وغیرہما نے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی اور اس کے گھوڑے کے لیے تین حصے مقرر کیے، ایک حصہ آدمی کے لیے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے (1)۔ اسی طرح اسے عبدالرحمن ابن بشر نے عبداللہ بن نمیر سے انہوں نے عبیداللہ بن عمر سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور پوری حدیث ذکر کی ہے۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے لیے دو حصے اور اس کے مالک کے لیے ایک حصہ مقرر کیا (2)۔ اور یہ نص ہے۔ اور تحقیق دارقطنی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن مجھے چار حصے عطا فرمائے، دو حصے میرے گھوڑے کے لیے، ایک حصہ میرے لیے اور ایک حصہ ذوی القرابہ میں سے میری ماں کے لیے۔ اور ایک روایت میں ہے: اور ایک حصہ ان کی ماں کے لیے تھا وہ ذوی القربیٰ کا حصہ تھا۔ اور انہوں نے بشر بن عمرو بن محصن سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھوڑے کے لیے چار حصے عطا فرمائے اور میرے لیے ایک حصہ، پس میں نے پانچ حصے لیے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے:

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 41
2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 1، صفحہ 401

بے شک یہ امام کے اجتہاد کی طرف راجع ہے (یعنی ان کے سپرد ہے) جو اس کی رائے ہوگی وہ نافذ ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 15۔ گھڑ سوار اور پیدل کے درمیان ایک سے زیادہ گھوڑوں کے ساتھ فرق نہیں کیا جائے گا (یعنی گھڑ سوار کے لیے صرف ایک گھوڑے کا اعتبار ہوگا اس سے زائد گھوڑوں کا اعتبار نہ ہوگا۔) یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ایک سے زیادہ گھوڑوں کا حصہ بھی دیا جائے گا، کیونکہ اس کی مشقت زیادہ ہے اور منفعت عظیم ہے۔ اس کے مطابق ہمارے اصحاب میں سے ابن الجہم نے بیان کیا ہے اور اسے سحنون نے ابن وہب سے روایت کیا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اس روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے ایک گھوڑے سے زیادہ کو حصہ عطا فرمایا اور اسی طرح آپ کے بعد ائمہ بھی ہیں، کیونکہ دشمن کے لیے قتال کرنا ممکن نہیں ہے مگر صرف ایک گھوڑے پر اور جو اس سے زائد ہوں گے وہ محض تیاری میں زیادتی اور سہولت و آسانی کے لیے ہوں گے۔ اور وہ حصوں کی زیادتی میں موثر نہیں ہوں گے۔ تو یہ اس کی طرح ہے جس کے پاس زیادہ تلواریں یا نیزے ہوں اور اسی میں قیاس تیسرے اور چوتھے نمبر کا ہے۔ اور سلیمان بن موسیٰ سے روایت ہے: اس کے لیے حصہ نکالا جائے گا جس کے پاس گھوڑے ہوں۔ ہر گھوڑے کے لیے ایک حصہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 16۔ صرف عربی گھوڑوں کا حصہ دیا جائے گا، کیونکہ ان میں کر و فر ہے اور رومی گھوڑے اس معاملہ میں ان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اور جو اس طرح نہیں ان کے لیے کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اگر امام وقت ان کی اجازت دے دے تو پھر ان کے لیے حصہ بھی نکالے، کیونکہ گھوڑوں کے ساتھ نفع حاصل کرنا جگہ کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ پس رومی گھوڑے کٹھن اور مشکل جگہوں میں کام کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں مثلاً گھاٹیاں اور پہاڑ وغیرہ اور عربی گھوڑے ایسی جگہوں میں زیادہ کام آتے ہیں جن میں کر و فر (بار بار پلٹ کر حملہ کرنا) ہوتا ہے، پس یہ امام کی رائے کے متعلق ہوگا۔ کتاب میں العتاق سے مراد عربی گھوڑے ہیں اور الھجن والبراذین سے مراد رومی گھوڑے ہیں۔

مسئلہ نمبر 17۔ ہمارے علماء نے ضعیف اور کمزور گھوڑے کے بارے اختلاف کیا ہے۔ پس اشہب اور ابن نافع نے کہا ہے: اس کے لیے کوئی حصہ نہ نکالا جائے گا، کیونکہ ایسے گھوڑے پر جنگ کرنا ممکن نہیں ہوتی پس وہ ٹوٹے ہوئے (کسیر) کے مشابہ ہو جائے گا۔ اب رہا مریض! تو اگر اسے ہلکی سی بیماری ہو مثلاً رہیص (گھوڑے کے کھر کے اندر زخم اور درد ہونا) اور اسی طرح کی کوئی ایسی بیماری جو اس سے مطلوبہ منفعت کے حصول میں مانع نہ ہو تو اس کے لیے حصہ نکالا جائے گا۔ اور ادھار لیے ہوئے اور اجرت پر لیے ہوئے گھوڑے کو حصہ دیا جائے گا۔ اور اسی طرح مغصوبہ گھوڑے کا حصہ بھی دیا جائے گا۔ اور اس کا حصہ اس کے مالک کے لیے ہوگا۔ اور وہ گھوڑے کے لیے حصہ کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ وہ کشتیوں میں ہوں اور غنیمت سمندر میں حاصل ہو، کیونکہ وہ خشکی کی طرف اترنے کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔

مسئلہ نمبر 18۔ فالتو اور رذیل لوگوں کے لیے غنائم میں کوئی حق نہیں جیسا کہ مزدور اور وہ کاریگر جو کاروبار کے لیے لشکر کے ساتھ ہو جاتے ہیں، کیونکہ نہ وہ جنگ کا قصد کرتے ہیں اور نہ مجاہدین بن کر نکلتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: ان کو حصہ

دیا جائے گا، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: الغنیمة لمن شهد الواقعة(1) (جو جنگ میں حاضر ہوا اس کے لیے غنیمت ہے) اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ اس میں اس بارے کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث اس کے بیان اور وضاحت کے لیے ہے جو عملاً جنگ میں شریک ہوا اور اس کی طرف نکلا اور جنگجو اور اہل معاش (تجار) مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا بیان کافی ہے اس حدیث سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو الگ الگ فرقے قرار دیا ہے، ہر ایک کے لیے حکم اس کی حالت کے مطابق ہے، پس ارشاد فرمایا: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (المزمل:20) ''وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزق حلال) کو اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے''۔

مگر یہ کہ جب یہ لوگ (تجار) جنگ میں شریک ہوں پھر ان کا اپنے کاروبار میں مشغول ہونا ان کے لیے ضرر رساں نہیں، کیونکہ اب مال غنیمت میں استحقاق کا سبب ان کی جانب سے پایا گیا ہے۔ اور اشہب نے کہا ہے: ان میں سے کوئی اس کا مستحق نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ قتال بھی کرے، اسی طرح ابن قصار نے اجیر (مزدور) کے بارے کہا ہے کہ اس کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوگا اگرچہ وہ عملاً جنگ میں شریک ہو۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کا رد کرتی ہے انہوں نے فرمایا: میں طلحہ بن عبید اللہ کے تابع تھا میں اس کے گھوڑے کو پانی پلاتا تھا اور اس پر کھریرا مارتا تھا اور اس کی خدمت کیا کرتا تھا اور اس کے کھانے میں سے کھالیتا تھا، الحدیث۔ اس میں ہے: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو حصے عطا فرمائے، ایک گھوڑ سوار کا حصہ اور ایک پیدل کا حصہ، پس آپ نے دونوں کو میرے لیے جمع کر دیا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ابن قصار اور جس نے اس کے قول کے مطابق قول کیا ہے اس نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اسے عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے، اور اس میں ہے: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''یہ تین دینار اس کی دنیا اور آخرت کے معاملہ میں اس کی جنگ میں سے حصہ اور نصیب ہیں''(2)۔

مسئلہ نمبر 19۔ رہے غلام اور عورتیں! تو صاحب کتاب کا مذہب یہ ہے کہ نہ ان کے لیے کوئی حصہ نکالا جائے گا اور نہ انہیں بچا کھچا سامان دیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں بچا کچھا تھوڑا تھوڑا مال دے دیا جائے گا۔ اور جمہور علماء نے یہی کہا ہے۔ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اگر عورت نے عملاً قتال کیا تو اس کے لیے حصہ نکالا جائے گا۔ اور ان کا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کو حصص عطا فرمائے۔ انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک مسلمانوں نے اسی سے اخذ کیا ہے۔ اور ہمارے اصحاب میں سے ابن حبیب بھی اسی قول کی طرف مائل ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے مجدہ کی طرف اپنے خط میں لکھا: تو مجھ سے سوال کرتا ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جنگ میں ساتھ لے جاتے تھے؟ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں غزوہ میں ساتھ لے جاتے اور وہ زخمیوں کی مرہم پٹی علاج وغیرہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 440

2۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجہاد، جلد 5، صفحہ 229۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر 2165، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کرتی تھیں اور انہیں مال غنیمت میں سے کچھ عطیہ دیا جاتا تھا اور رہا سہم (حصہ) تو وہ آپ نے انہیں نہیں دیا۔ اور جہاں تک بچوں کا تعلق ہے پس اگر وہ جنگ لڑنے کی طاقت رکھتے ہوں تو ہمارے نزدیک اس بارے میں تین اقوال ہیں: سہم مقرر کرنا اور سہم کی نفی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے (بالغ ہونے سے پہلے اس کے لیے مال غنیمت سے سہم نہیں ہے) اس کی وجہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے یہی کہا ہے۔ ان کے درمیان فرق کرنا اس طرح کہ اگر وہ (بچہ) عملاً جنگ میں شریک ہو تو اس کے لیے حصہ نکالا جائے گا اور اگر اس نے قتال نہیں کیا تو پھر اس کے لیے حصہ نہیں ہو گا۔ صحیح پہلا قول ہے، کیونکہ بنی قریظہ کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ارشاد فرمایا تھا کہ ان میں سے ان بچوں کو قتل کر دیا جائے جن کے بال پھوٹے ہوئے ہیں اور انہیں چھوڑ دیا جائے جن کے بال ابھی تک نہیں نکلے۔ اور اس میں جنگ کی طاقت رکھنے کا لحاظ رکھا گیا ہے نہ کہ بالغ ہونے کا (1)۔ اور ابو عمر نے ''الاستیعاب'' میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انصار کے بچوں کو پیش کیا جاتا تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے صاحب ادراک کو (لشکر کے ساتھ) ملا دیتے۔ تو ایک سال مجھے آپ پر پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو ملحق کر لیا اور مجھے رد کر دیا۔ تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اسے شامل کر لیا ہے اور مجھے واپس لوٹا دیا ہے، حالانکہ اگر وہ مجھ سے کشتی لڑے تو میں اسے پچھاڑ سکتا ہوں۔ راوی کا بیان ہے: پس اس نے مجھ سے کشتی لڑی تو میں نے اسے پچھاڑ دیا نتیجتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی ملا لیا (2)۔ رہے غلام! تو ان کے لیے بھی نہ کوئی حصہ نکالا جائے گا اور انہیں حقیر سا مال دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 20۔ کافر جب امام وقت کی اجازت سے جنگ میں حاضر ہو اور وہ عملاً قتال بھی کرے تو ہمارے نزدیک اس کو حصہ دینے کے بارے میں تین اقوال ہیں: سہم دینا اور اس کی نفی کرنا۔ اس کے مطابق امام مالک اور ابن قاسم نے کہا ہے۔ ابن حبیب نے یہ زائد کہا ہے کہ ان کے لیے کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور تیسرے میں تفریق کی جاتی ہے۔ اور وہ سحنون کا ہے۔ (فرق اس قدر ہے) کہ اگر مسلمان ذاتی اعتبار سے مستقل اور طاقتور ہوں تو پھر کافر کو کوئی حصہ نہ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ مستقل نہ ہوئے اور انہیں کافر کی مدد کی ضرورت اور حاجت ہوئی تو اسے حصہ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ عملاً جنگ میں شریک نہ ہوا تو وہ کسی شے کا مستحق نہ ہوگا۔ اسی طرح آزاد آدمیوں کے ساتھ غلاموں کا حکم ہے۔ امام ثوری اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: انہیں کوئی حصہ نہ دیا جائے گا، البتہ انہیں بچا کھچا حقیر سا مال دے دیا جائے گا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: امام وقت مطلق مال کے ساتھ انہیں اجرت پر لے سکتا ہے نہ کہ بعینہٖ تیرا مال اس کے لیے ہوگا۔ اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ انہیں دے دے۔ اور دوسرے مقام پر کہا ہے: وہ مشرکین کو بچا کھچا تھوڑا سا مال دے سکتا ہے جب وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر قتال کریں۔ ابو عمر نے کہا ہے: تمام اس پر متفق ہیں کہ غلام ان افراد میں سے ہیں جن کی امان جائز ہوتی ہے، جب وہ قتال کرے تو اس کے لیے سہم نہیں ہوگا بلکہ اسے بچا کچا تھوڑا سا مال دے دیا جائے گا، پس کافر کے لیے بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا کہ اسے سہم نہیں دیا جائے گا۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی　　2۔ ایضاً

مسئلہ نمبر 21۔ اگر غلام اور اہل ذمہ چوری کرنے کے لیے نکلے اور وہ اہل حرب کا مال لے کر آ گئے تو وہ انہیں کا ہوگا، اس کا خمس نہیں نکالا جائے گا، کیونکہ ان میں سے کوئی آیت کے عموم میں داخل نہیں ہے: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ اور نہ ہی کوئی عورت اس عموم میں داخل ہے۔ اور رہے کفار تو ان کا بغیر کسی اختلاف کے کوئی دخل نہیں ہے۔ اور سحنون نے کہا ہے: جو غلام کے قائم مقام ہوگا اس کا خمس نہیں نکالا جائے گا۔ اور ابن القاسم نے کہا ہے: خمس نکالا جائے گا، کیونکہ یہ جائز ہے کہ اس کا آقا اسے جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دے اور وہ دین کی خاطر جنگ لڑے، بخلاف کفار کے۔ اشہب نے کتاب محمد میں کہا ہے: جب غلام اور ذمی لشکر سے نکلیں اور مال غنیمت لے آئیں تو وہ مال غنیمت ان کے سوا لشکر کے لیے بھی ہوگا۔

مسئلہ نمبر 22۔ سہم کے استحقاق کا سبب مسلمانوں کی مدد و نصرت کے لیے جنگ میں حاضر ہونا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ پس اگر کوئی جنگ کے آخر میں بھی شریک ہوگا تو وہ اس کا مستحق ہوگا۔ اور اگر کوئی جنگ ختم ہونے کے بعد حاضر ہوا تو وہ مال غنیمت میں سے سہم (حصہ) کا مستحق نہ ہوگا اور اگر وہ شکست خوردہ ہو کر غائب ہو گیا تو اس کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ اور اگر وہ جماعت کے ساتھ ملنے کے ارادہ سے نکلا (تاکہ قوت کے ساتھ پلٹ کر آئے) تو اس کا استحقاق ساقط نہ ہوگا۔ امام بخاری اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہما نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابان بن سعید کو ایک سریہ پر مدینہ طیبہ سے نجد کی جانب بھیجا۔ تو حضرت ابان بن سعید اور ان کے ساتھی اسے فتح کرنے کے بعد خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آ ملے اور ان کے گھوڑوں کے تنگ (کھجور کی) چھال کے تھے۔ تو حضرت ابان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تقسیم فرما دیجئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تقسیم نہ کیجئے۔ تو حضرت ابان نے کہا: اے وبر (بلی کی مثل چھوٹا سا جانور) تو اس کے ساتھ بیری کے اوپر سے ہمارے اوپر نیچے اترا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابان بیٹھ جا" (1) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تقسیم نہ فرمایا۔

مسئلہ نمبر 23۔ علماء کا ان کے بارے اختلاف ہے جو کوئی جنگ میں شریک ہونے کے لیے نکلا پھر کسی عذر نے اسے اس سے روک دیا جیسا کہ بیماری وغیرہ، اس کے سہم کے ثابت ہونے اور اس کی نفی میں تین قول ہیں: تیسرے میں فرق کیا گیا ہے اور وہی مشہور ہے۔ پس سہم اس کے لیے ثابت ہوگا اگر عذر کے سبب اس کا جنگ سے غائب ہونا جنگ شروع ہونے سے پہلے اور میدان جنگ میں داخل ہونے کے بعد ہو، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ علامہ ابن عربی نے یہی کہا ہے۔ اور اگر اس کا غائب ہونا اس سے پہلے ہو تو وہ اس کے لیے سہم کی نفی کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ وہ آدمی جسے امیر لشکر نے لشکر سے ایسے کام کے لیے بھیجا جو لشکر کے لیے نفع بخش تھا اور وہ جنگ میں شریک ہونے کی بجائے اس میں مشغول رہا تو اس کے لیے سہم ہوگا۔ یہ ابن المواز نے کہا ہے، اور اسے ابن وہب اور ابن نافع نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ اس کے لیے سہم نہیں ہوگا بلکہ اسے بچا کچھا تھوڑا سا مال دیا جائے گا، کیونکہ وہ سبب معدوم ہے جس کے ساتھ وہ سہم کا مستحق ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 17

ایضاً، حدیث نمبر 2347، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اور اشہب نے کہا ہے: قیدی کا حصہ دیا جائے گا اگرچہ وہ پڑوس میں ہو۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ اسے حصہ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ اس کے لیے جنگ کے ساتھ حاصل ہونے والی ملک ضروری ہے۔ پس جو غائب ہوا یا حالت مرض میں حاضر ہوا تو وہ اس کی طرح ہے جو حاضر نہیں ہوا۔

مسئلہ نمبر 24۔ جو مطلق غائب ہوا اس کے لیے کوئی حصہ نہ ہوگا اور رسول اللہ ﷺ نے یوم خیبر کے سوا کبھی بھی کسی غائب کو حصہ نہیں دیا، کیونکہ اس دن آپ ﷺ نے اہل حدیبیہ میں سے جو حاضر تھے اور جو غائب تھے سبھی کو ان کا حصہ دیا، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے: وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا (الفتح: 20) ’’(اے غلامان مصطفیٰ!) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم (اپنے اپنے وقت پر) حاصل کرو گے‘‘۔ یہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے۔ اور سلف کی پوری جماعت سے یہ مروی ہے۔ اور بدر کے دن حضور نبی مکرم ﷺ نے حضرت عثمان، حضرت سعید بن زید اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کو حصہ عطا فرمایا حالانکہ وہ غائب تھے، پس وہ ان کی طرح تھے جو وہاں حاضر تھے ان شاء اللہ تعالیٰ، چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی رفیقہ حیات حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی وجہ سے ان کی تیمارداری کے لیے آپ ﷺ کے حکم سے پیچھے رہے تھے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کا حصہ اور اجر عطا فرمایا لہٰذا وہ ان کی طرح ہوئے جو وہاں حاضر تھے۔ اور رہے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تو وہ تجارت کے لیے شام میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی ان کا حصہ اور اجر عطا فرمایا۔ پس اس وجہ سے وہ اہل بدر میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اور رہے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ تو وہ بھی شام میں غائب تھے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی ان کا حصہ اور اجر عطا فرمایا اور وہ بدری صحابہ کرام میں شمار ہوئے۔

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جہاں تک اہل حدیبیہ کا تعلق ہے تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے وعدہ تھا اس کے ساتھ وہی لوگ مختص ہیں اور اس میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک نہیں۔

حضرت عثمان، سعید اور طلحہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں احتمال ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو خمس سے حصص عطا فرمائے ہوں، کیونکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو کوئی عذر کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تو اس کے لیے سہم نہ ہوگا۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ وہ حضرات عثمان، طلحہ اور سعید رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا ان پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اور بلاشبہ ان کا حصہ اصل مال غنیمت سے تھا ان تمام افراد کے حصص کی طرح جو وہاں حاضر تھے وہ خمس میں سے نہ تھا۔ یہی احادیث سے ظاہر ہے، واللہ اعلم۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے انہوں نے فرمایا: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بدر سے غائب ہوئے (اس کی وجہ یہ تھی) کیونکہ آپ کے نکاح میں حضور نبی رحمت ﷺ کی صاحبزادی تھی اور وہ بیمار تھیں، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ’’بے شک تمہارے لیے اس آدمی کا اجر اور حصہ ہے جو غزوہ بدر میں حاضر تھا‘‘ (1)۔

مسئلہ نمبر 25۔ قولہ تعالیٰ: اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ زجاج نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی ہے پس تم

1۔ صحیح بخاری، کتاب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ، جلد 1، صفحہ 523

جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو (فاعلموا أن الله مولاكم إن كنتم) تو اس میں ان اس وعدہ کے ساتھ متعلق ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے: بے شک اِن قول باری تعالیٰ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ کے متعلق ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے: یہی صحیح ہے، کیونکہ قول تعالیٰ وَاعْلَمُوْٓا امر غنائم کے بارے میں اللہ کے حکم کی پیروی کرنے اور اس کو تسلیم کرنے کے معنی کو متضمن ہے، پس اس معنی کی بنا پر ان، واعلموا کے ساتھ معلق ہوا، یعنی اگر تم اللہ کے ساتھ ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرو اور اسے تسلیم کرو اس بارے میں جو مال غنیمت کے بارے میں، میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں۔

قولہ تعالیٰ: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ اس میں ما محل جر میں ہے اور اس کا عطف اسم اللہ پر ہے۔ یَوْمَ الْفُرْقَانِ سے مراد وہ دن ہے جس میں حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا گیا اور وہ غزوہ بدر کا دن ہے۔ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اس میں جمعان سے مراد ایک اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے اور دوسرا شیطان کا گروہ ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے)

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَ لٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۙ﴿۴۲﴾

''جب تم وادی کے نزدیک والے کنارے پر تھے اور وہ (لشکر کفار) دور والے کنارہ پر تھا اور (تجارتی) قافلہ نیچے کی طرف تھا تم سے۔ اور اگر تم لڑائی کے لیے وقت مقرر کرتے تو پیچھے رہ جاتے وقت مقرر سے لیکن (یہ بلا ارادہ جنگ اس لیے تھی) تاکہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا تاکہ ہلاک ہو جسے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ رہے جسے زندہ رہنا ہے دلیل سے اور بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے''۔

قولہ تعالیٰ: اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی، أى أنزلنا إذ أنتم الخ یعنی ہم نے نازل کیے جب تم اس حالت پر تھے۔ یا معنی ہوگا اذکروا إذ أنتم (اور یاد کرو جب تم تھے) العدوة کا معنی ہے وادی کا کنارہ۔ اسے عین کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ضمہ کی صورت میں جمع عدی ہوگی اور کسرہ کی صورت میں جمع عدیٰ ہوگی جیسا کہ لحية کی جمع لحی اور فرية کی جمع فری ہے۔ اور الدنیا، أدنی کی مونث ہے۔ اور القصوی، أقصی کی مونث ہے۔ یہ دَنَا یَدْنُو اور قَصَا یَقْصُو سے ہے اور کہا جاتا ہے: القصیا اس میں اصل واؤ ہے اور یہ اہل حجاز کی لغت کے مطابق قصویٰ ہے پس الدنیا سے مراد وادی کا وہ کنارہ ہے جو مدینہ طیبہ کی جانب ہے اور قصویٰ وہ ہے جو مکہ مکرمہ کی طرف ہے، یعنی جب تم مدینہ طیبہ کیطرف جانب قریب میں وادی کے کنارے اترے ہوئے تھے اور تمہارا دشمن دور کی جانب تھا۔

وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ یعنی ابوسفیان وغیرہ کا تجارتی قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا۔ وہ ایسی جگہ میں تھے جو ان سے ساحل سمندر کی جانب بہت نیچے تھی اور اس میں سازو سامان تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ وہ اونٹ ہیں جو ان کا سازو سامان اٹھائے ہوئے تھے۔ اور وہ ایسی جگہ میں تھے جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے محفوظ و مامون تھے (یعنی انہیں سامان کے

ضیاع کا کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ تھا) پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی وہ نعمت یاد دلائی جوان پر فرمائی۔ الرَّكْبُ مبتدا ہے اور اَسْفَلَ مِنْكُمْ ظرف محل خبر میں ہے۔ یعنی مکاناً أسفل منکم۔ اور اخفش اور کسائی اور فراء نے وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ کو بھی جائز قرار دیا ہے أی أشدّ تسفلا منکم (یعنی قافلہ تم سے بہت زیادہ نیچے کی طرف تھا) اور الرکب راکب کی جمع ہے۔ اور عرب صرف اونٹ سواروں کی جماعت کے لیے الرکب کا لفظ بولتے ہیں۔ ابن سکیت اور اکثر اہل لغت نے بیان کیا ہے کہ راکب اور رکب صرف اسی کے لیے بولا جاتا ہے جو اونٹ پر ہو، جو گھوڑے یا کسی اور شے پر سوار ہو اس کے لیے راکب نہیں کہا جاتا اور الرکب والأرکب والرکبان اور الراکبون صرف وہ ہوتے ہیں جو اونٹوں پر سوار ہوں۔ یہ ابن فارس سے منقول ہے۔ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ یعنی ان کی کثرت اور تمہاری قلت کے سبب اتفاق نہ ہوسکتا، کیونکہ تم اگر ان کی کثرت اور زیادتی کو پہچان لیتے تو تم پیچھے ہٹ جاتے پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں توفیق عطا فرمادی۔ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کی مدد اور دین کو غالب کرنے کا وہ کام کر دکھائے جو ہو کر رہنا تھا۔ لِّيَقْضِيَ میں لام فعل محذوف سے متعلق ہے۔ اور اس کا معنی ہے: جمعهم ليقضي الله (انہیں جمع کیا تاکہ اللہ تعالیٰ وہ کام کر دکھائے) پھر اسے مکرر ذکر کیا اور فرمایا: لِّيَهْلِكَ، أی جمعهم هنالك ليقضي أمرًا (انہیں وہاں جمع کیا تاکہ وہ کام پورا کردے)

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ اس میں من محل رفع میں ہے۔ وَّيَحْيٰى یہ لِّيَهْلِكَ پر معطوف ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اور بَيِّنَةٍ کا معنی ہے حجت اور دلیل تم کرنا، یعنی تاکہ وہ مرجائے جسے مرنا ہے ایسی حجت اور دلیل کے ساتھ جسے اس نے دیکھ لیا ہے اور ایسی عبرت کے ساتھ جس کا اس نے معائنہ کرلیا ہے، پس اس پر حجت قائم ہوجائے۔ اور اسی طرح زندہ رہے (دلیل کے ساتھ) جس نے زندہ رہنا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے: تاکہ کفر کرے جس نے کفر کرنا ہے ایسی حجت اور دلیل کے بعد جو اس پر قائم ہوچکی ہے اور اس نے اس کا عذر ختم کردیا ہے اور اسی طرح وہ ایمان لائے جس نے ایمان لانا ہے (1)۔ من حيي دو یا کے ساتھ اصل پر رکھتے ہوئے بھی پڑھا گیا ہے۔ اور ایک یا مشددہ کے ساتھ بھی، پہلی اہل مدینہ، بزی اور ابوبکر کی قراءت ہے۔ اور دوسری باقیوں کی قراءت ہے اور یہی ابوعبید کی پسند ہے، کیونکہ یہ اسی طرح مصحف (عثمانی) میں واقع ہے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

"یاد کرو جب دکھایا اللہ نے آپ کو لشکر کفار خواب میں قلیل۔ اور اگر دکھایا ہوتا آپ کو لشکر کفار کثیر تعداد میں تو ضرور تم لوگ ہمت ہار دیتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس معاملہ میں لیکن اللہ نے (تمہیں) بچالیا، بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے"۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خواب میں انہیں قلیل دیکھا اور پھر اسے اپنے اصحاب کے سامنے بیان فرمایا تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں پختہ اور ثابت قدم کردیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: منام سے مراد سونے

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 636

کی جگہ ہے اور وہ معین ہے، یعنی آپ نے اپنے سونے کی جگہ میں انہیں قلیل دیکھا، پھر اس سے مضاف (لفظ موضع) حذف کر دیا گیا۔ یہ حسن سے منقول ہے۔ زجاج نے کہا ہے: یہ مذہب حسن اور اچھا ہے، لیکن پہلا عربی میں زیادہ جائز ہے، کیونکہ یہ ارشاد بھی ہے: وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ (الانفال:44) تو اس سے اس پر دلیل ہے کہ یہ مقابلہ کے وقت کی رؤیت کا ذکر ہے اور وہ نیند کی رؤیت کا ذکر ہے۔ اور لَّفَشِلْتُمْ کا معنی ہے تم جنگ سے بزدلی کا اظہار کرتے (ہمت ہار دیتے) وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ اور اس معاملے میں تمہارا اختلاف ہو جاتا۔ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ یعنی اللہ نے تمہیں مخالفت سے بچالیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: اس نے تمہیں بزدلی سے بچالیا۔ یہاں دونوں کا احتمال ہوسکتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: سَلَّمَ یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا معاملہ کامیابی و فتح کے ساتھ مکمل کر دیا۔

وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۠

"اور یاد کرو جب اللہ نے دکھایا تمہیں لشکر کفار جب تمہارا مقابلہ ہوا تمہاری نگاہوں میں قلیل اور قلیل کر دیا تمہیں ان کی نظروں میں تاکہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سارے معاملات"۔

قولہ تعالیٰ: وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا یہ رؤیت حالت بیداری میں تھی۔ اور پہلی آیت میں بھی رؤیت کو بیداری کی حالت پر محمول کرنا جائز ہے جب آپ یہ کہیں کہ منام سے مراد سونے کی جگہ ہے اور وہ معین ہے، پس اس بنا پر پہلی رؤیت حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور یہ تمام کے لیے ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: ہم نے بدر کے دن ایک آدمی کو کہا جو میرے پہلو میں تھا: کیا تو انہیں ستر دیکھ رہا ہے؟ تو اس نے کہا: وہ تقریباً سو ہیں۔ پھر ہم نے ایک آدمی کو قید کیا تو ہم نے اس سے پوچھا: تم کتنے تھے؟ تو اس نے بتایا: ہم ہزار تھے (1)۔ وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ یہ صورت حال جنگ کی ابتداء میں تھی یہاں تک کہ ابوجہل نے اس دن کہا: یہ تو اونٹ کے گوشت کا ایک نوالا ہیں۔ تم انہیں مضبوطی سے پکڑ لو اور تم انہیں رسیوں کے ساتھ باندھ دو۔ پس جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمان ان کی نظروں میں بڑھ گئے اور بہت زیادہ ہو گئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ (آل عمران:13) "دیکھ رہے تھے (مسلمان انہیں) اپنے سے دوچند (اپنی) آنکھوں سے"، جیسا کہ اس کا بیان سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا اس کا تکرار ہے، کیونکہ پہلے میں معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مقابلے سے وہ کام کر دکھائے اور اس دوسرے میں ہے کہ مشرکین کے قتل اور دین کو غالب کر کے اللہ تعالیٰ وہ کام کر دکھائے۔ اور یہ مسلمانوں پر اتمام نعمت ہے۔ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ یعنی امور کا انجام اور ان کا لوٹنا اسی کی طرف ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 637

تُفۡلِحُوۡنَ ۝

''اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔

قولہ تعالیٰ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَةً، فِئَةً سے مراد جماعت اور لشکر ہے۔ فَاثۡبُتُوۡا یہ کفار کے ساتھ جنگ کرنے کے وقت ثابت قدم رہنے کا حکم ہے، جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں ان کے مقابلے سے فرار اختیار کرنے سے منع کیا ہے، پس امر اور نہی بالکل برابر برابر ملے ہوئے ہیں اور یہ دشمن کے مقابلے میں ٹھہرے رہنے اور اس کے لیے مضبوطی دکھانے پر تاکید ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِیۡرًا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ اس ذکر کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

(۱) تم اپنے دلوں کی گھبراہٹ کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، کیونکہ اس کا ذکر شدائد اور سختیوں میں ثبات اختیار کرنے پر معاون ہوتا ہے۔ (۲) تم اپنے دلوں کو مضبوط اور پختہ رکھو اور اپنی زبانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، کیونکہ دل مقابلہ کے وقت پر سکون نہیں رہتے اور زبان مضطرب ہو جاتی ہے۔ پس ذکر کا حکم ارشاد فرمایا یہاں تک کہ دل یقین پر ثابت اور پختہ ہو جائے اور زبان ذکر پر ثابت ہو جائے اور وہ کچھ کہے جو اصحاب طالوت نے کہا: رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِیۡنَ ۝ (البقرہ) ''اے ہمارے رب! اتار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر''۔

اور یہ حالت صرف قوت معرفت اور نور بصیرت کے ساتھ ہی حاصل ہو سکتی ہے اور یہی وہ شجاعت اور بہادری ہے جو لوگوں میں قابل تعریف ہے۔ (۳) یاد کرو اسے جو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اس بارے میں کہ اس نے تمہارے نفسوں کو خریدا ہے اور اسے تمہارے لیے عوض بنایا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: اظہر قول یہ ہے کہ مراد زبان کا ذکر ہے جو دل کے موافق ہو۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا ہے: اگر ذکر چھوڑنے کے بارے میں کسی کو رخصت دی جاتی تو حضرت زکریا علیہ السلام کو رخصت دی جاتی۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ كَثِیۡرًا (آل عمران: 41) ''کہ نہ بات کر سکو گے لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت) اور اس آدمی کو رخصت دی جاتی جو جنگ میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِیۡرًا۔ اور حضرت قتادہ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر اپنے بندوں پر فرض کیا ہے اور اس نے انہیں تلواروں کے ساتھ جنگ لڑتے وقت بھی اس میں مشغول رکھا ہے۔ اور اس ذکر کا حکم یہ ہے کہ وہ خفی ہو، کیونکہ جنگ کے مقامات میں آواز کو بلند کرنا ردی اور مکروہ ہے جب کہ ذکر کرنے والا ایک ہو، لیکن حملہ کے وقت جب ذکر کرنے والی جماعت ہو تو (آواز بلند کرنا) اچھا ہے، کیونکہ یہ دشمن کی قوت کو توڑ دیتا ہے۔ اور ابوداؤد نے قیس بن عباد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جنگ کے وقت آواز بلند کرنا ناپسند کرتے تھے۔

ابو بردہ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی مثل روایت بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے: جنگ کے وقت ناک اور منہ پر کپڑا لپیٹنا مکروہ ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے: اسی وجہ سے سرحد پر پڑاؤ ڈالنے والوں نے جنگ کے وقت ناک اور منہ پر کپڑا نہ لپیٹنے کا طریقہ اختیار کیا ہے تاکہ وہ اس قول پر عمل پیرا ہو سکیں۔ واللہ اعلم

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ﴿۴۶﴾

''اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی۔ اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا اور (ہر مصیبت میں) صبر کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

قولہ تعالیٰ: وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا یہ ان کے لیے وصیت پر استمرار ہے اور بدر کے معاملہ میں ان کے اختلاف اور ان کے تنازع کی صورت میں ان کے ہاتھوں کو پکڑنا ہے۔ فَتَفْشَلُوْا یہ فا کے سبب منصوب ہے اور جواب نہی ہے۔ سیبویہ فا کے حذف اور جزم دینے کی اجازت نہیں دیتے لیکن کسائی نے اس کی اجازت دی ہے۔ شین کے کسرہ کے ساتھ تفشلوا بھی پڑھا گیا ہے لیکن یہ غیر معروف ہے۔ وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ یعنی تمہاری قوت اور تمہاری مدد و نصرت ختم ہو جائے گی۔ پھر یہ ایسے ہی ہے) جیسے تو کہتا ہے: الریح لفلان (ہوا تو فلاں کے لیے ہے) جب وہ امر میں غالب ہو۔ شاعر نے کہا ہے:

إذا هبّت رياحك فاغتنمها فإنّ لكلّ خافقة سكون

تو اس میں ریح اور ریاح سے مراد قوت اور مدد و نصرت ہی ہے۔

حضرت قتادہ اور ابن زید نے کہا ہے: بے شک کبھی بھی مدد و نصرت حاصل نہیں ہوتی مگر ہوا کے ساتھ جو چلتی ہے اور کفار کے مونہوں پر جا لگتی ہے۔ اس معنی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد بھی ہے: نُصِرتُ بالصبا و أهلكت عادٌ بالدبور(1) ''میری باد صبا (مشرق سے چلنے والی ہوا) کے ساتھ مدد کی گئی اور عاد کو دبور (مغرب سے آنے والی ہوا) کے ساتھ ہلاک کیا گیا''۔ حکم نے کہا ہے: وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ یعنی تمہاری باد صبا چلی جائے گی، جب کہ اس کے ساتھ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کی مدد کی گئی ہے۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کی ہوا اکھڑ گئی جب احد کے دن وہ آپس میں جھگڑ پڑے۔

قولہ تعالیٰ: وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ یہ صبر کے بارے حکم ہے اور یہ تمام مقامات میں قابل تعریف ہے بالخصوص میدان جنگ میں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا (جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو)

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 638

''اور (دیکھو!) نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور (محض) لوگوں کے دکھلاوے کے لیے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے (اپنے علم اور قدرت سے) گھیرے ہوئے ہے''۔

اس میں مراد ابوجہل اور اس کے وہ ساتھی ہیں جو بدر کے دن قافلے کی مدد و نصرت کے لیے نکلے تھے۔ وہ دوشیزاؤں گانا گانے والیوں اور آلات موسیقی کو ساتھ لے کر نکلے تھے۔ جب وہ جحفہ کے مقام پر پہنچے تو خفاف کنانی جو کہ ابوجہل کا دوست تھا اس نے اپنے بیٹے کے ہمراہ تحائف اور ہدایا اس کی طرف بھیجے اور کہلا بھیجا: اگر تو چاہے تو میں مردوں کے ساتھ تیری امداد کروں اور اگر چاہے تو میں بذات خود اپنی قوم کے اونٹوں سمیت تیری امداد کو آجاؤں۔ تو ابوجہل نے کہا: اگر ہماری جنگ اللہ تعالیٰ سے ہوئی جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گمان کرتے ہیں، تو قسم بخدا! ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ لڑنے کی کوئی طاقت نہیں۔ اور اگر ہماری جنگ لوگوں سے ہوئی تو قسم بخدا! ہمارے پاس لوگوں کے ساتھ لڑنے کے لیے قوت اور طاقت ہے۔ قسم بخدا! ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کیے بغیر واپس نہیں لوٹیں گے بلکہ ہم بدر میں اتریں گے اور وہاں شراب پئیں گے، دوشیزائیں آلات موسیقی بجا کر ہمارے اوپر گیت پیش کریں گی، کیونکہ عرب کے میلوں میں سے بدر ایک میلہ ہے اور ان کی منڈیوں میں سے ایک منڈی ہے، یہاں تک کہ عرب ہمارے نکلنے کے بارے سن لیں گے اور پھر ہمیشہ تک ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ پس وہ بدر میں جا اترے لیکن ان کی ہلاکت و بربادی میں سے جو ہوا سو ہوا۔ لغت میں البطر سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ اور جو اللہ تعالیٰ نے اسے عافیت عطا فرمائی ہے اس سے معاصی اور گناہ پر قوت حاصل کرنا ہے یہ مصدر ہے اور حال کے محل میں ہے۔ أي خرجوا بطرين مرائين صادين (یعنی وہ نکلے اس حال میں کہ اترانے والے تھے، ریا کاری کرنے والے تھے، روکنے والے تھے) اور ان کے روکنے سے مراد لوگوں کو گمراہ کرنا ہے۔

وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَ اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۟

''اور یاد کرو جب آراستہ کر دیئے ان کے لیے شیطان نے ان کے اعمال اور (انہیں) کہا کہ کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں نگہبان ہوں تمہارا تو جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور بولا میں بری الذمہ ہوں تم سے میں دیکھ رہا ہوں وہ جو تم نہیں دیکھ رہے، میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے''۔

روایت ہے کہ اس دن شیطان سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں ان کے پاس آیا اور سراقہ بن بکر بنی کنانہ میں سے تھا، اور قریش بنی بکر کے بارے خوف رکھتے تھے کہ کہیں وہ ان کے پاس ان کے پیچھے آجائیں، کیونکہ انہوں نے ان کا ایک

آدمی قتل کیا ہوا تھا۔ پس جب وہ اس شکل میں ان کے پاس آیا تو کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے اسے کوئی خبر نہیں دی۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: غزوہ بدر کے دن ابلیس اپنے جھنڈے اور اپنے لشکر کے ساتھ ان کے پاس آیا اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ ہرگز شکست نہیں دیئے جاسکیں گے اور وہ اپنے آباء کے دین پر لڑ رہے ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کی ہزار ملائکہ کے ساتھ امداد فرمائی۔ پس حضرت جبرئیل امین علیہ السلام پانچ سو ملائکہ کے ساتھ ایک طرف (میمنہ) میں تھے اور پانچ سو ملائکہ کے ساتھ حضرت میکائیل علیہ السلام ایک طرف (میسرہ) میں تھے اور ابلیس شیاطین کے لشکر میں آیا اور ان کے ساتھ بنی مدلج کے لوگوں کی صورت میں دستہ تھا اور شیطان سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں تھا۔ اور شیطان نے مشرکین کو کہا: آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارا نگہبان ہوں۔ پس جب قوم نے صفیں بنالیں تو ابوجہل نے کہا: اے اللہ ہم میں سے جو حق کے زیادہ قریب ہے اس کی مدد فرما۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک بلند کیا اور عرض کی یا ربّ إنّك إن تُهلك هذه العصابةُ فلن تُعبد في الأرض أبدًا (1) (اے میرے پروردگار! اگر یہ جماعت ہلاک کردی گئی، تو پھر ہمیشہ کے لیے زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی) تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ''مٹی کی ایک مشت اٹھایئے''۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مشت مٹی لی اور اسے ان کے چہروں پر پھینک دیا۔ اور مشرکین میں سے کوئی بھی نہ تھا مگر اس کی آنکھوں، نتھنوں اور اس کے منہ میں وہ مٹی پہنچی۔ تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام ابلیس کی طرف آئے پس جونہی اس نے آپ کو دیکھا وہ مشرکین میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے تھا ابلیس نے اپنا ہاتھ کھینچا اور پھر وہ اور اس کا گروہ پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے۔ تو اس آدمی نے اسے کہا: اے سراقہ! کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا کہ تو ہمارا نگہبان اور محافظ ہے؟ اس نے جواب دیا: بے شک میں تم سے بری الذمہ ہوں بے شک میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ اسے بیہقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اور موطا میں امام مالک نے ابراہیم بن ابی عبلہ سے انہوں نے طلحہ بن عبیداللہ بن کریز سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شیطان نے اپنے آپ کو یوم عرفہ سے بڑھ کر کسی دن بھی زیادہ ذلیل، حقیر، دھتکارہ ہوا اور غیظ وغضب کی حالت میں نہیں دیکھا اور ایسا نہیں ہوا مگر تب جب اس نے رحمت کے نزول کو دیکھا اور بڑے بڑے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کے درگزر کرنے کو دیکھا۔ مگر جتنا اس نے بدر کے دن (اپنے آپ کو ذلیل ورسوا دیکھا) عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے دن اس نے کیا دیکھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اس نے حضرت جبریل امین کو دیکھا کہ وہ ملائکہ کو منظم و مرتب فرمارہے ہیں'' (2)۔ نکص کا معنی لغت سلیم کے مطابق رجع (لوٹا ہے)۔ یہ مؤرج وغیرہ سے منقول ہے۔ اور شاعر نے بھی کہا ہے:

لیس النکوصُ علی الأدبار مَکرمۃً　　إن المکارم إقدامٌ علی الأسَل

اور دوسرے شاعر نے کہا ہے:

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 2　　2۔ اوجز المسالک الی موطا امام مالک، کتاب الحج، جلد 8، صفحہ 238

وما ينفع المستأخرين نكوصهم   ولا ضرّ أهل السابقات التقدمُ

یہاں الٹے پاؤں لوٹنا مراد نہیں بلکہ فرار ہونا مراد ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''جب وہ اذان کی آواز سنتا ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے (1) اور اس کی ہوا خارج ہو رہی ہوتی ہے''۔ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ کہا گیا ہے: ابلیس کو خوف لاحق ہوا کہ یوم بدر ہی وہ دن ہو (جس کے بارے کہا گیا) کہ اس کی طرف دیکھ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: ابلیس نے اپنے اس قول میں جھوٹ بولا ہے: اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ (کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں) لیکن اسے یہ علم تھا کہ اس کے پاس کوئی قوت وطاقت نہیں۔ اور جار کی جمع اجوار اور جیران لائی جاتی ہے۔ اور قلیل طور پر جیرۃ بھی آئی ہے۔

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۴۹

''یاد کرو جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں (شک کا) روگ تھا کہ مغرور کر دیا ہے انہیں ان کے دین نے۔ اور جو شخص بھروسہ کرتا ہے اللہ پر تو بے شک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے''۔

کہا گیا ہے: منافق وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان ظاہر کیا اور کفر کو چھپائے رکھا۔ اور وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے مراد شک کرنے والے ہیں اور وہ منافقین کے سوا تھے، کیونکہ ابھی وہ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ان میں بعض ایسے بھی تھے جن کی نیتیں کمزور اور ضعیف تھیں۔ انہوں نے قتال کی طرف نکلتے وقت اور مقابلے کے لیے صفیں باندھتے وقت کہا: غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ''انہیں ان کے دین نے مغرور کر دیا''۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: دونوں سے مراد ایک ہی قسم ہے۔ اور یہی اولیٰ ہے، کیا آپ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف دیکھتے نہیں: اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (البقرہ: 3) پھر فرمایا: وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ (البقرہ: 4) اور ان دونوں سے مراد ایک ہی قسم کے لوگ ہیں۔

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝۵۰ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝۵۱

''اور (اے مخاطب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر اور (کہتے ہیں) چکھو آگ کا عذاب۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور اللہ تعالیٰ ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے (اپنے) بندوں پر''۔

کہا گیا ہے: مراد وہ لوگ لیے ہیں جو باقی بچے اور بدر کے دن مارے نہ گئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ ان کے بارے میں ہے جو بدر میں قتل کر دیئے گئے۔ اور لو کا جواب محذوف ہے، اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: لرأيت أمرا عظيما ''اگر تو دیکھے

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 398

جب جان نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے ......تو تو امر عظیم کو دیکھتا"۔ یَضْرِبُوْنَ یہ حال کے محل میں ہے۔ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ "اس حال میں کہ وہ مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر"۔ یعنی ان کی سرینوں پر، کنایۃً اسے ادبار کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ یہ حضرت مجاہد اور حضرت سعید بن جبیر نے کہا ہے۔ حسن نے کہا ہے: اَدْبَارَهُمْ سے مراد ان کی پشتیں ہیں اور کہا: بے شک کسی آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، بے شک میں نے ابوجہل کی پیٹھ پر (جوتے کے) تسمے کی مثل دیکھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ ملائکہ کی ضرب تھی" (1)۔ اور کہا گیا ہے: یہ ضرب موت کے وقت لگتی ہے۔ اور کبھی یہ قیامت کے دن لگے گی جس وقت وہ انہیں جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ۔ فراء نے کہا ہے: اس کا معنی ہے ویقولون ذُوقوا اور وہ کہتے ہیں: چکھو۔ پھر اسے حذف کر دیا گیا ہے۔ اور حسن نے کہا ہے: یہ قیامت کے دن ہوگا، انہیں جہنم پر مقرر فرشتے کہیں گے: تم آگ کا عذاب چکھو۔

اور یہ روایت ہے کہ بعض تفاسیر میں ہے کہ ملائکہ کے پاس لوہے کے بھاری گرز ہیں جب بھی وہ ان کے ساتھ مارتے ہیں تو زخموں میں آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ پس اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ "اور چکھو آگ کا عذاب" اور ذوق محسوسا بھی ہوتا ہے اور معنی بھی۔ اور کبھی اسے ابتلا اور امتحان کی جگہ رکھا جاتا ہے، جیسے تو کہتا ہے: ارکب هذا الفرس فذقه (تو اس گھوڑے پر سوار ہو اور اسے چکھ (یعنی اسے آزما)) اور أنظر فلانا فذق ما عنده (تو فلاں کی طرف دیکھ اور جو اس کے پاس ہے اسے چکھ یعنی اس کا امتحان لے) شماخ نے گھوڑے کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

فذاق فأعطته من اللين جانبا　　كفى ولها ان يُفرقَ السهمَ حاجزُ

اور اس کا اصل معنی منہ کے ساتھ کسی شے کو چکھنا ہے۔

ذٰلِكَ یہ محل رفع میں ہے، یعنی الأمر ذالك یا ذالك جزاء كم (یہ تمہاری جزا اور بدلہ ہے) بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ ان کا جو گناہ تم نے کیے ہیں۔ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ جب اس نے راستہ واضح کر دیا ہے اور رسل علیہم الصلوات والتسلیمات کو مبعوث فرمایا ہے، تو پھر تم نے اس کا خلاف کیوں کیا ہے؟ اس میں ان محل جر میں ہے اس کا عطف ما پر ہے اور اگر چاہے تو اسے نصب دے لے، یعنی یہ بمعنی بان اور پھر با کو حذف کر دیا گیا یا بمعنی وذالك أن اللہ ھو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ذالك پر عطف نسق کرتے ہوئے محل رفع میں ہو۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

"جیسے دستور تھا فرعونیوں کا اور جو (زبردست) لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے کفر کیا آیات الٰہی کے ساتھ تو پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے باعث، بے شک اللہ قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے"۔

كَدَاْبِ کا معنی عادت اور دستور ہے۔ اور یہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے، یعنی انہیں ارواح کو قبض کرنے کے

1۔ دلائل النبوۃ، باب سیاق قصۃ بدر، جلد 3، صفحہ 116

وقت اور قبروں میں عذاب دینے کی عادت اور دستور فرعونیوں کی عادت اور دستور کی طرح ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے انہیں قتل اور قید کے ساتھ بدلہ دیا گیا ہے جیسے فرعونیوں کو غرق کے ساتھ بدلہ دیا گیا، یعنی ان کا دستور فرعونیوں کے دستور کی طرح ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾

''یہ اس لیے کہ اللہ نہیں بدلنے والا کسی نعمت کو جس کا انعام اس نے فرمایا ہو کسی قوم پر یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہی اپنے آپ کو اور بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے''۔

یہ علت بیان ہو رہی ہے یعنی یہ سزا اس لیے ہے کہ انہوں نے تبدیل کر دیا اور بدل ڈالا اور قریش پر اللہ تعالیٰ کا انعام شادابی، خوشحالی اور امن و عافیت کی صورت میں تھا، (جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے) اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ الآیہ (العنکبوت: 67) ''کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اچک لیا جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے''۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ان پر اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام حضور نبی مکرم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی تو انہوں نے آپ کا انکار کیا اور کفر کا ارتکاب کیا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ منتقل ہو گئے اور مشرکین پر سزا و عذاب نازل ہوا (1)۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

''(کفار مکہ کا طرز عمل بھی) فرعونیوں اور ان (سرکشوں) کا سا ہے جو پہلے گزر چکے، انہوں نے جھٹلایا اپنے رب کی آیتوں کو پس ہم نے ہلاک کر دیا انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور ہم نے غرق کر دیا فرعونیوں کو اور (وہ) سنت کے سب ظالم تھے''۔

یہ تکرار نہیں ہے، کیونکہ پہلی آیت تکذیب اور جھٹلانے میں عادت اور دستور کے بارے ہے اور دوسری تغییر میں عادت کے بارے ہے اور باقی آیت بالکل واضح اور مبین ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

''بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کیا پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے۔ وہ جن سے (کئی بار) آپ نے معاہدہ کیا پھر وہ توڑتے رہے اپنا عہد ہر بار اور وہ (عہد شکنی سے) ذرا نہیں

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 643

مسئلہ نمبر 2۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اگر یہ کہا جائے کہ خیانت کے خوف کے ساتھ معاہدہ توڑنا کیسے جائز ہوسکتا ہے، حالانکہ خوف ظن ہے جس کے ساتھ یقین نہیں ہے، تو عہد کا یقین خیانت کے ظن کے ساتھ کیسے ساقط ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب دو اعتبار سے ہے: ان میں سے ایک یہ ہے کہ خوف کبھی یقین کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ رجاء (امید) علم (یقین) کے معنی میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ (نوح) (تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم پرواہ نہیں کرتے اللہ کی عظمت وجلال کی) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب خیانت کے آثار ظاہر ہوجائیں اور اس کے دلائل ثابت ہوجائیں، تو معاہدہ کو توڑنا واجب ہوجاتا ہے تا کہ اس پر سرکشی کرنے والا ہلاکت میں نہ واقع کردے اور اس حالت میں ضرورۃً یقین کو ساقط کرنا جائز ہے (1)۔ اور رہی یہ صورت کہ جب یقینی علم حاصل ہوجائے تو پھر وہ ان کے پاس معاہدہ توڑنے کی اطلاع سے مستغنی ہوجاتا ہے، تحقیق حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال اہل مکہ کی طرف چل پڑے، جب ان کی طرف سے معاہدہ توڑنے کی خبر مشہور ہوگئی، بغیر اس کے کہ آپ انہیں معاہدہ توڑنے کی اطلاع کرتے۔ النبذ کا معنی پھینکنا (الرمی) اور چھوڑنا (الرفض) ہے۔

اور ازہری نے کہا ہے: اس کا معنی ہے جب تو کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کرے تو تجھے ان کے بارے میں معاہدہ توڑنے کا علم ہوجائے تو تو معاہدہ توڑنے سے پہلے ان پر حملہ نہ کر، یہاں تک کہ تو ان سے ملے اس حال میں کہ تو معاہدہ اور باہمی وعدہ توڑ چکا ہو، تا کہ وہ معاہدہ توڑنے کے علم میں برابر ہوجائیں، پھر ان پر حملہ کردے۔ نحاس نے کہا ہے: یہ قرآن کریم کی ان آیات میں سے ہے جس کی مثل الفاظ کے اعتبار سے مختصر اور معانی کے اعتبار سے کثیر کلام میں نہیں پائی جاتی۔ اور اس کا معنی ہے: اگر تمہیں اس قوم کے بارے میں خیانت کا اندیشہ ہو کہ جس قوم اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو تو ان کا معاہدہ توڑ دو، یعنی انہیں کہہ دو تحقیق میں نے تمہارا عہد توڑ دیا ہے اور میں تمہارے ساتھ جنگ کروں گا، تا کہ انہیں اس کا علم ہوجائے پس وہ تمہارے ساتھ علم میں برابر ہوجائیں گے اور تم ان سے قتال نہ کرو اس حال میں کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو اور وہ تمہارے ساتھ یقین رکھتے ہوں، کیونکہ یہ خیانت اور غدر (دھوکہ) ہوجائے گا۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول کے ساتھ بیان کیا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ

میں (مفسر) کہتا ہوں: معاہدہ توڑنے کے بارے میں جو ازہری اور نحاس نے ذکر کیا ہے کہ اس کے ٹوٹنے کا علم ہونا چاہیے فتح مکہ کے بارے میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اسے رد کرتا ہے، کیونکہ انہوں نے جب معاہدہ توڑا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے بلکہ فرمایا: اللھم اقطع خبرنا عنھم (2) (اے اللہ! ان کی جانب سے خبر کو یقین بنا دے) اور ان پر حملہ کردیا۔ اور یہ بھی آیت کا معنی ہے، کیونکہ ان کی طرف سے عہد توڑنے کے بارے میں (اطلاع ہونا) اور اس کا علم رکھتے ہوئے عہد کو توڑ دینا ان کی طرف سے عہد توڑنا ہی ہے اور ان کے ساتھ یہ مساوات اور عدل ہے، البتہ ان کی جانب سے علم نہ ہونے کے باوجود عہد کو توڑنا نہ یہ حلال ہے اور نہ ہی جائز۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 871 2۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 4، صفحہ 113

ترمذی اور ابوداؤد نے سلیم بن عامر سے روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا اور آپ ان کے شہروں کی طرف چلتے رہے تاکہ قریب ہو جائیں یہاں تک کہ جب معاہدہ (کی مدت) ختم ہوگئی تو ان پر حملہ کر دیا، تو اتنے میں گھوڑے یا ترکی گھوڑے پر سوار ہو کر ایک آدمی آیا اور وہ کہنے لگا: اللہ اکبر، اللہ اکبر (وعدہ وفا کرو، خیانت نہ کرو) پس انہوں نے اسے دیکھا تو وہ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی طرف بلا بھیجا اور ان سے استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''وہ آدمی جس کے اور اس کی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو وہ گرہ کو نہ مضبوط کرے اور نہ اسے کھولے یہاں تک کہ اس کی مدت گزر جائے یا برابری کی بنیاد پر ان سے وعدہ توڑے'' (1)۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ واپس لوٹ گئے۔ ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اس میں السواء کا معنی مساوات اور اعتدال ہے۔

اور راجز کا قول ہے:

فاضربْ وجوهَ الغُدّرِ الأعداءِ حتى يجيبوكَ إلى السَّوَاءِ

اس میں سواء کا لفظ مساوات کے معنی میں ہے۔

اور کسائی نے کہا ہے: سواء کا معنی عدل ہے اور کبھی یہ بمعنی وسط (درمیان) بھی ہوتا ہے اور اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فِي سَوَآءِ الْجَحِيمِ ﴿۵۵﴾ (الصافات) (جہنم کے وسط میں)

اور اسی معنی میں حسان کا قول ہے:

يا وَيْحَ أصحابِ النبيِّ ورهطِه بعد المغيَّبِ في سواء المُلْحَدِ

فراء نے کہا ہے: اور کہا جاتا ہے فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَآءٍ پس اعلانیہ ان سے وعدہ توڑ دو نہ کہ سراً۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام مسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن ہر خیانت کرنے والے کے لیے جھنڈا ہوگا وہ اس کے لیے اس کی خیانت اور وعدہ خلافی کی مقدار سے بلند کیا جائے گا اور امیر عام (سلطان وقت) سے بڑھ کر خیانت کرنے والا کوئی نہ ہوگا'' (2)۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے: امام وقت کے حق میں غدر اور خیانت کسی دوسرے کے مقابلے میں زیادہ اور فحش ترین ہے کیونکہ اس میں فساد اور بگاڑ زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ جب یہ خیانت کریں اور ان کی طرف سے یہ معلوم ہو جائے اور وہ معاہدہ نہ توڑیں تو پھر دشمن کو ان کے کسی عہد اور صلح پر اعتماد اور امن نہیں ہوگا، نتیجۃً اس کی قوت و طاقت سخت اور مضبوط ہو جائے گی اور اس کا ضرر و نقصان بڑھ جائے گا اور یہ دین میں داخل ہونے سے متنفر کر دے گا اور ائمہ مسلمین کی مذمت کا موجب ہوگا۔ لیکن

1۔ جامع ترمذی، کتاب السیر، جلد 1، صفحہ 191

ایضاً، حدیث نمبر 1506، ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2378، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 83

جب دشمن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ ہو تو پھر چاہیے کہ اس کے خلاف ہر حیلہ استعمال کرے اور ہر چال اس پر آزمائے۔ اور اس پر حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ابھارتا ہے: الحرب خدعة (1) (جنگ تو حیلہ اور چال ہے) اور علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ معاہدہ توڑنے والے امام کی معیت میں جہاد کیا جائے گا؟ تو اس بارے دو قول ہیں: اکثر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس کی معیت میں قتال نہیں کیا جائے گا، بخلاف خائن (خیانت کرنے والا) اور فاسق کے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے گا۔ یہ دونوں قول ہمارے مذہب میں ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾

''اور ہرگز نہ خیال کریں کافر کہ وہ بچ کر نکل گئے یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے''۔

قولہ تعالیٰ: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا یعنی وہ واقعہ بدر سے بچ گئے اور حیات کی طرف نکل گئے۔ پھر نیا کلام فرمایا اور ارشاد فرمایا: إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ بے شک وہ دنیا میں عاجز نہیں کر سکتے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان پر فتح و کامرانی عطا فرما دے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: مراد آخرت میں عاجز نہ کر سکنا ہے۔ اور یہی حسن کا قول ہے۔ ابن عامر، حفص اور حمزہ نے يَحْسَبَنَّ یا کے ساتھ اور باقیوں نے تا کے ساتھ قراءت کی ہے، اس بنا پر کہ فعل میں ضمیر فاعل ہو۔ اور الَّذِينَ كَفَرُوا مفعول اول ہو۔ اور سَبَقُوا مفعول ثانی ہو۔ اور رہی یا کی قرات تو اس کے بارے نحویوں کی ایک جماعت جن میں سے ابو حاتم بھی ہیں، کا خیال ہے کہ یہ غلطی (لحن) ہے اس کے ساتھ قراءت جائز نہیں ہے اور نہ اس کے لیے وسعت ہے جو اعراب کو جانتا ہے یا اسے پہچان کرادی جائے۔ ابو حاتم نے کہا ہے: کیونکہ يَحْسَبَنَّ مفعول کے ساتھ مذکور نہیں حالانکہ وہ دو مفعولوں کا محتاج ہے۔ نحاس نے کہا ہے: یہ انتہائی تکلیف دہ بات ہے، قراءت جائز ہے اور معنی یہ ہوگا: ولا یحسبن من خلفهم الذین کفروا سبقوا ''یعنی پیچھے رہ جانے والے کافر گمان نہ کریں وہ بچ کر نکل گئے''۔ پس ضمیر اس کی طرف لوٹ رہی ہے جو پہلے گزر چکا، مگر تا کے ساتھ قراءت کرنا زیادہ بین اور واضح ہے۔ مہدوی نے کہا ہے: جنہوں نے یا کے ساتھ پڑھا ہے اس میں یہ احتمال ہے کہ فعل میں ضمیر حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو اور الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا دو مفعول ہوں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ الذین کفروا فاعل ہو اور مفعول اول محذوف ہو۔

اس کا معنی ہوگا: ولا یحسبن الذین کفروا انفسهم سبقوا'' کافر اپنے بارے میں یہ گمان نہ کریں وہ بچ کر نکل گئے''۔

مکی نے کہا ہے: یہ جائز ہے کہ سبقوا کے ساتھ ان مضمر ہو اور یہ دو مفعولوں کے قائم مقام ہو جائے اور تقدیر عبارت اس طرح ہو: ولا یحسبن الذین کفروا أن سبقوا پس یہ اس ارشاد کی مثل ہوا: أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا (العنکبوت: 2) اس میں کہ أن قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

ابن عامر نے إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ میں ہمزہ کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ابو حاتم اور ابو عبید نے اس قراءت کو مستبعد قرار دیا ہے۔ ابو عبید نے کہا ہے: یہ اس بنا پر جائز ہے کہ معنی اس طرح ہو: ولا تحسبن الذین کفروا انهم لا یعجزون۔ نحاس نے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 83

کہا ہے: جو کچھ ابو عبید نے ذکر کیا ہے بصری نحویوں کے نزدیک وہ جائز نہیں، (کیونکہ) حسبت زیدا أنه خارج کہنا جائز نہیں مگر ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ (جائز ہے)

اور بلاشبہ یہ جائز نہیں کیونکہ یہ مبتدا کے محل میں ہے، جیسے تو کہتا ہے: حسبت زیدا، أبوه خارج، اور اگر آپ فتحہ دیں تو معنی ہوگا حسبتُ زیدا خروجه اور یہ محال ہے اور اس میں یہ بعد بھی ہے کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کے ساتھ معنی کے صحیح ہونے کی کوئی صورت نہیں، مگر یہ کہ لا کو زائدہ بنایا جائے اور کتاب اللہ میں کسی حرف کو قابل تسلیم حجت کے بغیر تطول اور زیادت کی طرف پھیرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور قرات جید یہ ہے کہ معنی اس طرح ہو: لأنهم لا یعجزون (کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔) مکی نے کہا ہے: پس معنی یہ ہے: لا یحسبن الکفار أنفسهم فاتوا لانهم لا یعجزون ای لا یفوتون (کفار اپنے بارے میں یہ گمان نہ کریں کہ وہ بچ گئے کیونکہ وہ بچ نہیں سکتے) پس أن لام کے حذف کے ساتھ نصب کے محل میں ہے یا لام کے عمل کرنے کی صورت میں محل جر میں ہے، کیونکہ انکے ساتھ ان کا حذف کثرت سے پایا جاتا ہے اور یہی خلیل اور کسائی سے روایت کیا گیا ہے۔ اور باقیوں نے ان کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ماقبل سے منقطع ہے اور یہی پسندیدہ ہے، کیونکہ اس میں تاکید کا معنی ہے اور اس لیے بھی کہ جمہور کا موقف یہی ہے۔

اور ابن محیصن سے روایت ہے کہ انہوں نے لا یعجزون تشدید اور نون کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ نحاس نے کہا ہے: یہ دو وجہوں سے غلط ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عجزه کا معنی ہے ضعفه و ضعف أمره (کسی کو کمزور کر دینا اور کسی کے کام کو کمزور کر دینا) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا دونوں کے ساتھ ہونا واجب ہے۔ اور أعجزه کا معنی ہے سبقه و فاته حتی لم یقدر علیه (کسی سے بچ نکلنا اور مفقود ہو جانا یہاں تک کہ وہ اس پر قادر نہ ہو سکے)

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰

''اور تیار رکھو ان کے لیے جتنی استطاعت رکھتے ہو قوت وطاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے تاکہ تم خوفزدہ کر دو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور دوسرے لوگوں کو ان کھلے دشمنوں کے علاوہ تم نہیں جانتے ہو انہیں (البتہ) اللہ جانتا ہے انہیں اور جو چیز خرچ کرو گے راہ خدا میں اس کا اجر پورا پورا دیا جائے گا تمہیں اور (کسی طرح) تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مومنوں کو دشمنوں کے لیے قوت وطاقت تیار رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے بعد اس کے کہ پہلے تقویٰ کی تاکید فرمائی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو وہ انہیں محض کلام کے ساتھ، ان کے چہروں پر تھوکنے کے ساتھ اور مٹی کی ایک مشت ان پر ڈالنے کے ساتھ شکست اور ہزیمت سے دوچار کر دے جیسا کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا لیکن اس نے چاہا کہ وہ بعض لوگوں کو ایسی بعض چیزوں کے ساتھ آزمائے جو پہلے سے اس کے علم میں ہیں اور اس کی قضا وقدر ان میں نافذ ہے۔ جب بھی خیر اور نیکی میں سے کوئی شے تو اپنے دوست کے لیے یا شر اور تکلیف میں سے کوئی اپنے دشمن کے لیے تیار کرے گا تو وہ تیری اس تیاری میں داخل ہوگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہاں قوت سے مراد ہتھیار اور قوسیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اس حال میں کہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے: ''اور تم ان کے لیے تیار رکھو قوت و طاقت میں سے جتنی استطاعت رکھتے ہو خبردار سنو! بے شک قوت تیر پھینکنا ہے، خبردار سنو! بے شک قوت تیر مارنا ہے، خبردار سنو! بے شک قوت تیر پھینکنا ہے''(1)۔ یہ نص ہے جسے حضرت عقبہ سے ابوعلی ثمامۃ بن شفی ہمدانی نے روایت کیا ہے اور ان کی صحیح میں اس کے سوا (کوئی روایت) نہیں ہے۔

اور رمی کے بارے میں حضرت عقبہ سے ایک دوسری حدیث بھی مروی ہے انہوں نے بیان کیا ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''عنقریب تم پر زمین فتح کر دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ تمہیں کافی ہوگا پس چاہیے کہ تم میں سے کوئی اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنے (یعنی انہیں چلانے) سے عاجز نہ ہو''(2)۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر شے جس کے ساتھ آدمی کھیلتا ہے وہ باطل ہے سوائے اپنی قوس کے ساتھ تیر اندازی کرنے کے، اپنے گھوڑے کو ادب سکھانے (یعنی اسے سدھارنے کے) اور اس کے اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنے (اور اظہار محبت کرنے) کے، کیونکہ یہ حق ہے''(3)۔ اس کا معنی تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہر وہ شے جس کے ساتھ آدمی کھیلتا ہے اور وہ اس کے لیے دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہ دے تو وہ باطل ہے اور اس سے اعراض کرنا، بچنا اولیٰ ہے۔ اور یہ تینوں امور ہیں کہ اگر آدمی انہیں اس ارادہ پر کرتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ کھیلے اور چست اور ہشاش بشاش ہو تو یہ حق اور درست ہیں کیونکہ ان کا اتصال نفع بخش اور مفید چیز کے ساتھ ہے، کیونکہ قوس کے ساتھ تیر اندازی کرنا اور گھوڑے کی تادیب بھی امور جنگ میں معاون و مددگار ہیں۔ اور اہلیہ کے ساتھ کھیلنا اور محبت کا اظہار کرنا اس امر تک پہنچاتا ہے کہ اس سے ایسا بچہ پیدا ہو جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرے گا اور اس کی عبادت کرے گا۔ پس اس حیثیت سے یہ تینوں امور حق اور صحیح ہیں۔

سنن ابی داؤد، ترمذی اور نسائی میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ساتھ تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا ایک اسے بنانے والا جو اسے بناتے وقت خیر اور نیکی کی نیت کرتا ہے اور دوسرا اسے پھینکنے والا اور تیسرا وہ جس کو تیر مارا جائے یا دیا جائے''(4)۔ تیر اندازی کی فضیلت عظیم ہے اور مسلمانوں کے لیے اس کی منفعت اور فوائد بہت زیادہ ہیں۔ اور کافروں پر اس کی مضرت اور تکلیف انتہائی شدید اور سخت

1۔ صحیح مسلم، باب لفضل الرمی، جلد 2، صفحہ 143　2۔ ایضاً　3۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 647

4۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 59۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر 2152، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جامع ترمذی، باب ما جاء فی فضل الرمی، حدیث نمبر 1561، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے بنی اسماعیل! تیر اندازی کیا کرو کیونکہ تمہارے آباء تیر اندازی کرتے تھے''۔ اور گھوڑوں کو سکھانا اور اسلحہ کا استعمال جاننا فرض کفایہ ہے۔ اور کبھی فرض عین ہو جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ حسن، عمرو بن دینار اور ابو حیوہ نے ومن ربط الخيل را اور با کے ضمہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ اور یہ رباط کی جمع ہے، جیسے کتاب کی جمع کتب ہے۔ ابو حاتم نے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ رباط سے مراد پانچ یا اس سے کچھ زائد گھوڑوں کو باندھنا ہے اور اس کی جمع ربط ہے۔ اور مراد وہی ہیں جو بندھے ہوئے ہوں۔ اسی سے کہا جاتا ہے: رَبَط يَرْبِط ربطا اور ارتبط يرتبط إرتباطاً۔ اور مربط الخيل اور مرابط الخيل سے مراد گھوڑوں کو دشمن کے مقابلے میں باندھنا ہے، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

أمر الإله بِرَبْطها لعدوّه في الحرب إنّ الله خير موفِّقِ

اللہ تعالیٰ نے جنگ میں اپنے دشمن کے مقابلے میں گھوڑے باندھنے کا حکم دیا ہے بے شک اللہ تعالیٰ بہتر توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

اور مکحول بن عبداللہ نے کہا:

تلومُ على رَبْط الجياد و حَبْسِها وأوصَى بها اللهُ النبيَّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تو گھوڑوں کے باندھنے اور انہیں روکنے پر ملامت کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اپنے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی ہے۔

اور گھوڑوں کو باندھنا فضل عظیم اور باعث عزت و شرف رتبہ ہے۔ عروہ البارقی کے ستر گھوڑے تھے جو جہاد کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ اور ان میں سے مستحب اور پسندیدہ مؤنث (گھوڑیاں) ہیں۔ یہ عکرمہ اور ایک جماعت نے کہا ہے اور یہی صحیح ہے، کیونکہ مؤنث کا (باطن) خزانہ ہے اور اس کا ظاہر عزت و فخر ہے۔ اور حضرت جبریل امین علیہ السلام کا گھوڑا بھی مؤنث تھا۔ اور ائمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گھوڑا تین درجے کا ہے ایک آدمی کے لیے باعث اجر ہے اور ایک کے لیے باعث ستر ہے اور ایک آدمی کے لیے یہ بوجھ ہے''(1)۔ الحدیث۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکر کو مؤنث سے خاص نہیں فرمایا۔ اور ان میں سے عمدہ اور اعلیٰ اجر کے اعتبار سے عظیم ہے اور بہت زیادہ نفع دینے والا ہے۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی: کون سا غلام افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جو ثمن کے اعتبار سے مہنگا ہو اور اپنے گھر والوں کے نزدیک نفیس اور عمدہ ہو''(2)۔

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو وہب جشمی سے روایت نقل کی ہے۔ اور انہیں بھی شرف صحابیت حاصل تھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے اسماء پر نام رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ اسماء (عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں) اور گھوڑے باندھ کر رکھو اور ان کی پیشانیوں اور ان کی پشتوں کو رگڑو (پونچھو) اور انہیں قلادہ

1۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 59 2۔ ایضاً

پہناؤ اور انہیں تانت کا قلادہ نہ پہناؤ اور تم پر لازم ہے کہ سرخ سیاہی مائل گھوڑا رکھو جو پنج کلیان (یعنی چاروں پاؤں اور اس کی پیشانی سفید ہو) یا سرخ زردی مائل پنج کلیان یا خالص سیاہ رنگ کا پنج کلیان گھوڑا رکھو"(1)۔

ترمذی نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہترین گھوڑا سیاہ رنگ کا ہے جس نے دانت نکالا ہوا ہو اور اس کی ناک کے سرے پر سفید داغ ہو۔ (پھر وہ گھوڑا جس نے دانت نکالا ہو اور اس کے پاؤں سفید ہوں) پھر مطلق سیاہ رنگ کا گھوڑا اور اگر سیاہ رنگ کا گھوڑا نہ ہو تو پھر سرخ رنگ کا گھوڑا جو سیاہی مائل ہو اور مذکورہ اوصاف پر ہو"(2)۔ اور اسے دارمی نے بھی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں گھوڑا خریدنے کا ارادہ رکھتا ہوں، تو میں کون سا گھوڑا خریدوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو سیاہ رنگ کا گھوڑا خرید جس کی ناک پر سفید داغ ہو دائیں ہاتھ کے سوا بایاں ہاتھ اور دونوں پاؤں سفید ہوں یا پھر اسی طرح سرخ سیاہی مائل گھوڑا خریدلے تو نفع اٹھائے گا اور محفوظ رہے گا"(3)۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑوں میں سے الشکال ناپسند کرتے تھے۔ اور الشکال وہ گھوڑا ہوتا ہے جس کے دائیں پاؤں میں اور بائیں ہاتھ میں سفیدی ہو یا دائیں ہاتھ میں اور بائیں پاؤں میں سفیدی ہو۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اور ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ گھوڑا جس پر حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا وہ اشکل تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ پس اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ کافی تھا۔ پھر خاص طور پر تیروں اور گھوڑوں کا ذکر کیوں کیا گیا؟ تو یہ کہا جائے گا: بلاشبہ گھوڑا جنگوں کی اصل اور ان کا وہ اسلحہ ہے جس کی پیشانی میں خیر اور بھلائی رکھ دی گئی ہے اور یہ قوت کے اعتبار سے انتہائی طاقتور، دوڑ کے اعتبار سے انتہائی مضبوط اور شہسوار کو محفوظ رکھنے والا ہے اور اس کے ساتھ میدان میں چکر لگایا جا سکتا ہے، لہٰذا از روئے عظمت و شرف کے اس کا ذکر خاص طور پر کیا اور عزت و تکریم کی خاطر اس کے غبار کی قسم کھائی۔ پس ارشاد فرمایا: وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ الآیہ (العادیات)

اور جب تیر جنگوں میں استعمال کیے جانے والے ہتھیاروں میں سے اور دشمن کو قتل کرنے کے اعتبار سے اور انہیں ارواح کے زیادہ قریب کرنے کے اعتبار سے زیادہ کامیابی دلانے والا ہتھیار ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے اور اس پر تنبیہ کرنے کے لیے اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا۔ اور قرآن کریم میں اس کی نظیر وجبریل و میکال ہے (یعنی ان فرشتوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا) اس کی کثیر مثالیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہمارے بعض علماء نے اس آیت سے گھوڑا اور ہتھیار رکھنے اور دشمن کے مقابلے کی تیاری کے لیے خزانے اور ان کے محافظ رکھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ اور علماء نے حیوان رکھنے کے جواز میں اختلاف کیا ہے جیسے گھوڑا

1۔ سنن نسائی، کتاب الخیل، جلد 2، صفحہ 122۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر 2181، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، کتاب الجہاد، جلد 1، صفحہ 202۔ ایضاً، حدیث نمبر 1619، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن دارمی، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 131

اور اونٹ وغیرہ۔ اس بارے میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ منع ہے، یہی قول ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ صحیح ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور یہی اصح ہے اور دلیل یہ آیت ہے۔ اور اس گھوڑے کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث جس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں حملہ کیا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے حق میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی: ''اور رہے خالد تو تم خالد پر زیادتی کرتے ہو کیونکہ اس نے اپنا گھوڑا باندھ کر رکھا اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں استعمال کیا'' (1)۔ الحدیث

اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک عورت نے اونٹ فی سبیل اللہ رکھا ہوا تھا پھر اس کے خاوند نے حج کا ارادہ کیا، تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو وہ اونٹ اسے دے دے تا کہ وہ اس پر حج کرے کیونکہ حج بھی اللہ تعالیٰ کے راستوں میں سے ہے''۔ اور اس لیے بھی کہ یہ مال ہے جس سے بوجہ قربت نفع حاصل کیا جا سکتا ہے، پس جائز ہے کہ انہیں اونٹ کے بچوں کی طرح باندھ کر رکھا جائے۔ اور علامہ سہیلی نے اس آیت کے ضمن میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں اور آلات حرب کے نام ذکر کیے ہیں، جو انہیں جاننا چاہے وہ انہیں کتاب ''الاعلام'' میں پا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ قولہ تعالیٰ: **تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ** یعنی تم اس کے ساتھ خوفزدہ کردو۔

عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ یعنی یہود، قریش اور کفار عرب میں سے جو اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں۔

وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ (اور ان کے سوا دوسرے لوگوں کو) مراد اہل فارس اور روم ہیں۔ یہ سدی نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد جن ہیں۔ اسے علامہ طبری نے اختیار کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ ہے جس کی عداوت و دشمنی معروف نہ ہو۔ سہیلی نے کہا ہے: کہا گیا ہے کہ ان سے مراد بنی قریظہ ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ جن ہیں اور علاوہ ازیں بھی قول کیے گئے ہیں۔ اور مناسب نہیں ہے کہ ان کے بارے میں کوئی خاص شے کہی جائے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کہا ہے: **وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ** تو پھر کیسے کوئی ان کے بارے حقیقی علم کا دعویٰ کر سکتا ہے، مگر یہ کہ حدیث صحیح ہے جو اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور وہ اس آیت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے: هم الجن (کہ مراد جن ہیں) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک شیطان ایسے گھر میں کسی کو نہیں بگاڑ سکتا جس میں خوش منظر گھوڑا ہو'' اس روایت میں فرس عتیق کہا گیا ہے یعنی گھوڑے کا نام عتیق رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ وہ حقارت اور نسل کی خرابی سے الگ اور محفوظ ہوتا ہے۔ اس حدیث کو حارث بن ابی اسامہ نے ابی ملیکی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے اپنے باپ اور پھر دادا کے واسطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ جن اس گھر کے قریب نہیں آتے جس میں گھوڑا ہو اور وہ گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سے بھاگ جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ قولہ تعالیٰ: **وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ** تا کہ تم صدقہ کرو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: تم جو خرچ کرو گے اپنے آپ پر یا اپنے گھوڑے پر۔ **فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ** آخرت میں تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ (یعنی) ایک نیکی کا اجر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، جلد 1، صفحہ 316

اس کی مثل دس سے لے کر سات سو گنا تک اور پھر کثیر گنا تک۔ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا)

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

''اور اگر کفار مائل ہوں صلح کی طرف تو آپ بھی مائل ہو جائیے اس کی طرف اور بھروسہ کیجئے اللہ تعالیٰ پر بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا اس میں لَهَا فرمایا ہے کیونکہ السلم مونث ہے۔ اور جائز ہے کہ تانیث فعلۃ کے لیے ہو۔ اور جنوح کا معنی مائل ہونا ہے۔ وہ فرماتا ہے: اگر وہ مائل ہوں۔ یعنی وہ جن کے عہد توڑنے کا علم آپ کو ہوا۔ صلح کی طرف، تو پھر آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو جائیے۔ اور جنح الرجل الی الآخر کا معنی ہے آدمی دوسرے کی طرف مائل ہوا۔ اور اسی وجہ سے پسلیوں کو جوانح کہا گیا ہے، کیونکہ وہ انتڑیوں پر جھکی ہوئی ہیں (1)۔ اور جنحت الابل (یہ تب کہا جاتا ہے) جب چال میں اونٹ کی گردن جھک جائے۔ اور ذوالرمہ نے کہا ہے:

إذا مات فوق الرَّحْل أحييتُ روحَه　　بذكراكِ والعِيسُ المراسيل جُنَّحُ

اور نابغہ نے کہا ہے:

جوانحُ قد أيقنَّ أن قَبِيلَه　　إذا ما التقى الجمعان أوّل غالبِ

مراد پرندہ ہے۔ اور جنح اللیل جب رات آئے اور اپنا اندھیرا زمین پر پھیلا دے۔ اور السلم والسلام دونوں کا معنی صلح ہے۔ اعمش، ابوبکر، ابن محیصن اور مفضل نے سین کو کسرہ کے ساتھ للسلم پڑھا ہے۔ اور باقیوں نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اس کا مکمل معنی سورۂ بقرہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ اور کبھی السلام بمعنی التسلیم ہوتا ہے۔ اور جمہور نے نون کے فتحہ کے ساتھ فاجنح پڑھا ہے اور یہ بنی تمیم کی لغت ہے۔ اشہب عقیلی نے نون کے ضمہ کے ساتھ فاجنُح پڑھا ہے اور یہ قیس کی لغت ہے۔ ابن جنی نے کہا ہے: یہی لغت قیاس کے مطابق ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں یہ اختلاف کیا گیا ہے، کیا یہ منسوخ ہے یا نہیں؟ حضرت قتادہ اور عکرمہ رحمہما اللہ نے کہا ہے: اسے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: 5) نے منسوخ کر دیا ہے۔

وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً (توبہ: 36) اور ان دونوں نے کہا ہے: ہر قسم کی صلح کی براءت منسوخ ہو چکی ہے یہاں تک کہ وہ کہہ دیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (یعنی باہمی صلح کے معاہدوں کی ذمہ داری منسوخ ہو چکی ہے یہاں تک کہ وہ کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو جائیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا ناسخ فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ (محمد: 35) ہے۔

اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے، بلکہ اہل جزیہ سے جزیہ قبول کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد آنے والے بہت سے ائمہ نے بلاد عجم میں سے بہت

1۔ المحرر الوجیز، زیر آیت ہذہ

سے شہروں کی صلح اس بنا پر کی کہ ان سے جزیہ وصول کر لیا اور انہیں ان کے شہروں میں ہی رہنے دیا، حالانکہ وہ انہیں مکمل ختم کرنے پر قادر تھے۔ اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بلاد میں سے کثیر کے ساتھ اس مال پر صلح کی جو وہ آپ کو ادا کرتے تھے۔ ان میں سے خیبر بھی ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبہ کے بعد وہاں کے باسیوں کو اس شرط پر وہیں رہنے دیا کہ وہ کام کرتے رہیں اور پیداوار کا نصف ادا کریں۔ ابن اسحاق نے کہا ہے: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس آیت سے بنی قریظہ مراد لیے گئے ہیں، کیونکہ ان سے جزیہ قبول کیا جاتا تھا۔ اور رہے مشرک تو ان سے کوئی شی قبول نہیں کی جائے گی۔ اور سدی اور ابن زید رحمہما اللہ علیہما نے کہا ہے: آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ آپ کو صلح کی دعوت دیں تو آپ ان کی دعوت قبول کریں اور اس میں کوئی نسخ نہیں ہے۔

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اسی وجہ سے اس کا جواب مختلف ہوتا رہا (1)، اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ (محمد: 35) (اے فرزندان اسلام!) ہمت مت ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت مت دو تم ہی غالب آؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے) پس جب مسلمان عزت و قوت میں طاقتور، متعدد جماعتوں میں اور انتہائی مضبوط ہوں تو پھر کوئی صلح نہیں ہے۔

جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

فلا صلحَ حتی تُطعن الخیلُ بالقَنا و تُضرب بالبِیض الرقاق الجماجمُ

اور اگر مسلمانوں کے لیے صلح میں مصلحت ہو کسی ایسے نفع کے سبب جسے وہ اس کے ساتھ حاصل کر سکتے ہوں یا کسی ضرر اور نقصان کے سبب جسے وہ اس کے ساتھ دور کر سکتے ہوں، تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ مسلمان اس کی ابتدا کریں جب انہیں اس کی ضرورت ہو۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ شرائط پر اہل خیبر سے صلح کی پھر انہوں نے ان شرائط کو توڑ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی صلح کو ختم کر دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضمری، اکیدر دومہ اور اہل نجران کے ساتھ صلح کی اور آپ نے قریش کے ساتھ دس برس کے لیے صلح کی یہاں تک کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا عہد توڑ دیا۔ اور خلفاء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس راستے پر چلتے رہے ہیں جسے ہم نے مشروع قرار دیا ہے اور ان وجوہ اور اسباب کے ساتھ عمل کرتے رہے ہیں جن کی شرح اور وضاحت ہم نے کی ہے۔

علامہ قشیری نے کہا ہے: جب مسلمانوں کے پاس قوت اور طاقت ہو تو پھر چاہیے کہ صلح ایک سال تک نہ پہنچے (یعنی صلح کی مدت سال سے کم ہو) اور جب قوت و طاقت کفار کے پاس ہو تو پھر دس برس تک باہم صلح کرنا جائز ہے اور اس سے زیادہ جائز نہیں۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے ساتھ دس سال کے لیے صلح کی۔

ابن منذر نے کہا ہے: علماء کا اس مدت کے بارے اختلاف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مکہ کے درمیان حدیبیہ کے ساتھ مقرر ہوئی۔ پس حضرت عروہ نے کہا: وہ چار سال تھی۔ ابن جریج نے کہا: وہ مدت تین سال تھی۔ اور ابن اسحاق نے کہا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 876

ہے: وہ دس سال کا عرصہ تھا۔(1)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: مشرکین کے ساتھ دس سال سے زیادہ عرصہ کے لیے صلح کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال کیا۔ پس اگر مشرکوں سے اس سے زیادہ عرصہ کے لیے صلح کی گئی تو وہ ٹوٹ جائے گی، کیونکہ دراصل مشرکین کو قتل کرنا فرض ہے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں یا جزیہ ادا کریں۔ ابن حبیب نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے: مشرکین کے ساتھ صلح کرنا جائز ہے ایک سال کے لیے، دو سال کے لیے، تین سال کے لیے اور غیر معینہ مدت کے لیے۔ مہلب نے کہا ہے: بے شک حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ یہ ایسا معاہدہ کیا جس میں بظاہر مسلمانوں کی کمزوری کا اظہار تھا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ کو مکہ مکرمہ سے روک دیا، جس وقت آپ نے مکہ مکرمہ کی طرف منہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حبسها حابس الفیل (اسے ہاتھی کو روکنے والے نے روک دیا ہے)

اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مسور بن مخرمہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ اور یہ مشرکین سے بغیر کسی ایسے مال کے جوان سے لیا جائے گا صلح اور امن قائم کرنے کے جواز پر دلیل ہے، جب کہ امام وقت اس میں مصلحت اور بہتری دیکھے۔ اور مسلمانوں کی حاجت کے وقت ایسے مال کے عوض عقد صلح کرنا بھی جائز ہے جسے وہ دشمن کے لیے خرچ کریں گے، کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے وقت عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف المری کو اس شرط پر قریش سے علیحدہ ہو جانے کو کہا تھا کہ آپ ان دونوں کو مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا تیسرا حصہ عطا کریں گے(2) اور وہ دونوں بنی غطفان کو ساتھ لے کر واپس پھرے اور انہوں نے قریش کو رسوا اور ذلیل کیا۔ اور اپنی قوم کو ساتھ لے کر واپس لوٹ گئے۔ اور یہ گفتگو انہیں بہلانے پھسلانے کی تھی یہ معاہدہ نہ تھا۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو دیکھا کہ وہ دونوں مائل ہیں اور راضی ہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا، تو ان دونوں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ ایسا امر ہے جسے آپ پسند کرتے ہیں تو ہم آپ کی خوشنودی کے لیے یہ کریں گے یا یہ ایسی شے ہے جس کے بارے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے تو ہم اسے سنتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں۔ یا یہ ایسا امر ہے جسے آپ ہمارے لیے کر رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلکہ یہ ایسا امر (معاملہ) ہے جسے میں تمہارے لیے کر رہا ہوں کیونکہ عربوں نے ایک معاہدہ کے تحت تمہارا قصد کیا ہے''۔ تب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم قسم بخدا! ہم اور وہ مشرک قوم تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے، نہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور نہ اسے پہچانتے تھے اور انہوں نے کبھی یہ طمع نہیں کیا کہ وہ ہم سے پھل حاصل کریں، مگر خرید کر یا بطور مہمان کے (ہم نے انہیں پیش کیا) اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سبب ہمیں عزت و تکریم عطا فرمائی ہے، اس نے ہمیں اس کی طرف رہنمائی اور ہدایت عطا فرمائی ہے اور اس نے آپ کے سبب ہمیں معزز بنا دیا ہے۔ ہم انہیں اپنے اموال دیں! قسم بخدا! تلوار کے سوا ہم انہیں کچھ نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس طرح تفسیر کی گئی ہے فرمایا: انتم وذاك اور عیینہ اور حارث کو

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر 2385، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 876

فرمایا: ''تم دونوں چلے جاؤ تمہارے لیے ہمارے پاس سوائے تلوار کے سوا کچھ نہیں''۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے صحیفہ پایا اور اس میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت نہیں تھی تو آپ نے اسے مٹا دیا۔

وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

''اور اگر وہ ارادہ کریں کہ آپ کو دھوکہ دیں (تو آپ فکر مند کیوں ہوں) بے شک کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ، وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں (کی جماعت) سے۔ اور اسی نے الفت پیدا کر دی ان کے دلوں میں۔ اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تو نہ الفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت پیدا کر دی، ان کے درمیان بلاشبہ وہ زبردست ہے حکمت والا ہے''۔

قولہ تعالیٰ: وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ یعنی اس کے ساتھ کہ وہ آپ کے لیے صلح ظاہر کریں۔ اور باطن میں غدر اور خیانت رکھیں، تو آپ مائل ہو جائیے پس آپ کا ان کی نیتیں فاسد ہونے کے سبب کوئی نقصان نہیں۔ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے، یعنی وہ ہی آپ کی کفایت اور آپ کی حفاظت کا والی اور ذمہ دار ہے۔ شاعر نے کہا ہے:

إذا كانت الهيجاءُ وانشقَّتِ العصا فحسبُكَ والضحاكَ سيفٌ مُهَنَّدُ

یعنی تجھے اور ضحاک کو تلوار کافی ہے، تو اس میں بھی حَسْبَكَ بمعنی کافیک ہے۔

قولہ تعالیٰ: هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ یعنی وہی ہے جس نے آپ کو اپنی نصرت کے ساتھ قوت عطا کی۔ مراد بدر کا دن ہے۔ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ نعمان بن بشیر نے کہا ہے: یہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی۔ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ یعنی اوس اور خزرج کے دلوں کو (محبت و الفت سے) جوڑ دیا۔ اور عرب میں شدید عصبیت کے باوجود حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آیات اور آپ کے معجزات کے سبب دلوں میں الفت اور محبت پیدا ہو گئی، کیونکہ ان میں سے کسی کو تھپڑ مارا جاتا تھا تو وہ اس کے عوض جھگڑ پڑتا تھا یہاں تک کہ وہ اس کا قصاص طلب کرتا تھا۔ اور وہ حمیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں انتہائی شدید اور سخت تھے، پس اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ ان کے درمیان الفت پیدا کر دی، یہاں تک کہ ایک آدمی دین کے سبب اپنے باپ اور اپنے بھائی کے خلاف قتال کرنے لگا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہاں مراد مہاجرین و انصار کے درمیان تالیف ہے۔ اور یہ معنی باہم متقارب ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

''اے نبی (مکرم) کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں مومنوں سے''۔

یہ تکرار نہیں ہے، کیونکہ ماسبق کلام میں فرمایا ہے: وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ اور یہ کفایۃ خاصہ ہے اور

اس ارشاد یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ میں تعمیم کا ارادہ فرمایا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہر حال میں آپ کو کافی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تینتیس آدمی اور چھ عورتیں اسلام لا چکی تھیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور وہ (مسلمان) چالیس ہو گئے۔ یہ آیت مکی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدنی سورت میں لکھی گئی ہے اسے قشیری نے ذکر کیا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں انہوں نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے، تحقیق سیرت میں اس کے خلاف واقع ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: ہم کعبہ معظمہ کے پاس نماز پڑھنے پر قدرت نہ رکھتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے، پس جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ نے قریش کے ساتھ جھگڑا کیا یہاں تک کہ آپ نے کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کی معیت میں نماز پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے جو حبشہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے ان کی ہجرت کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: مسلمانوں میں سے وہ تمام جو سرزمین حبشہ کے ساتھ جا ملے اور اس کی طرف ہجرت فرما ہوئے۔ ان کے ان بیٹوں کے سوا جو ان کے ساتھ چھوٹی عمر میں نکلے یا وہاں پیدا ہوئے۔ وہ تراسی آدمی تھے، اگر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ان میں شامل ہوں۔ کیونکہ ان کے بارے میں شک کیا جاتا ہے۔ اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ آیت جنگ سے قبل غزوۂ بدر کے بارے میں مقام بیداء پر نازل ہوئی۔

قولہ تعالیٰ: وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے۔ اور مہاجرین و انصار آپ کو کافی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے اور انہیں کافی ہے جنہوں نے آپ کی اتباع کی۔ اسے شعبی اور ابن زید رحمہما اللہ نے بیان کیا ہے۔ اور پہلا قول حسن سے منقول ہے اور اسے نحاس وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ اور من پہلے قول کی بنا پر محل رفع میں ہے اور اسم جلالت لفظ اللہ پر معطوف ہے۔ اور معنی یہ بنتا ہے: فان حسبك الله واتباعك من المؤمنين (بے شک اللہ تعالیٰ اور آپ کی اتباع کرنے والے مومنین آپ کو کافی ہیں)

اور دوسرے قول کے مطابق عطف ضمیر پر ہے۔ اور اسی کی مثل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے: یکفینیه الله وابناء قیلة (اللہ تعالیٰ اور قیلہ کے بیٹے (مراد اوس و خزرج ہیں) مجھے اس کے لیے کافی ہوں گے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ بھی جائز ہے کہ معنی اس طرح ہو وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ، حسبهم الله (مومنین میں سے جو آپ کی اتباع کرنے والے ہیں اللہ انہیں کافی ہے)۔ پس خبر مضمر ہوگی اور یہ بھی جائز ہے کہ من محل نصب میں ہو اور معنی یہ ہو یکفیك الله ویکفی من اتبعك (اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے اور وہ انہیں کافی ہے جنہوں نے آپ کی اتباع کی)

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝ الْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ

مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۞

''اے نبی! برانگیختہ کیجئے مومنوں کو جہاد پر اگر ہوں تم سے بیس آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی (صبر کرنے والے) تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر کیونکہ یہ کافر وہ لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔ (اے مسلمانو!) اب تخفیف کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر اور وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے تو اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوئے تم میں سے ایک ہزار (صابر) تو وہ غالب آئیں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

قولہ تعالیٰ: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ یعنی آپ انہیں جہاد پر برانگیختہ کیجئے اور ابھاریئے۔ کہا جاتا ہے: حارض علی الأمر و واظب وواصب وأكب ان تمام کا معنی ایک ہے (یعنی اس نے کام پر ابھارا، برانگیختہ کیا) اور الحارض وہ ہے جو ہلاک ہونے کے قریب ہو جائے۔ اس معنی میں رب کریم کا ارشاد بھی ہے: حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا (یوسف:85) (کہیں بگڑ نہ جائے آپ کی صحت) یعنی تو غم سے پگھلنے لگے اور تو ہلاک ہونے کے قریب ہو جائے تو تو ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائے گا۔

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ یہ الفاظ تو خبر ہیں، ان کے ضمن میں شرط کے ساتھ ایک وعدہ ہے۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے آدمی صبر کریں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اِن یصبر منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین، عشرون، ثلاثون اور اربعون ان میں سے ہر ایک ایسا اسم ہے جو اس عدد کے لیے جمع کی صورت میں وضع کیا گیا ہے۔ اور یہ اسم قائم مقام فلسطین کے ہو جائے گا۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے: عشرین کے پہلے حرف کو کسرہ کیوں دیا ہے حالانکہ ثلاثین اور اس کے مابعد ثمانین تک سوائے ستین کے تمام میں پہلا حرف مفتوح ہے؟ تو سیبویہ کے نزدیک جواب یہ ہے کہ عشرۃ سے عشرین ایسے ہی ہے جیسے واحد سے اثنین (واحد سے تثنیہ) ہے پس عشرین کے پہلے حروف کو کسرہ دیا گیا جیسے اثنان کو کسرہ دیا گیا ہے۔ اور اس پر دلیل ان کا قول ستون و تسعون ہے، جیسا کہ ستۃ و تسعۃ کہا گیا ہے۔

ابو داؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے انہوں نے فرمایا: یہ آیت اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ نازل ہوئی اور یہ امر مسلمانوں پر گراں اور شاق گزرا۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض قرار دیا کہ ان میں سے ایک دس کے مقابلے سے نہ بھاگے، پھر تخفیف کا حکم نازل ہوا اور فرمایا: اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ ا... ۔ نے اس قول تک پڑھا: مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے انہیں عدد میں تخفیف فرمائی تو جتنی ان کے لیے تخفیف فرمائی اتنا صبر کم کر دیا۔ اور علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ایک قوم نے کہا ہے بے شک یہ حکم بدر کے دن تھا اور پھر منسوخ ہو

گیا۔ اور یہ کہنے والے کی خطا ہے۔ اور کہیں منقول نہیں کہ مشرکین نے مسلمانوں کے مقابلے میں اس پر صف بندی کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر پہلے فرض کیا اور اسے اس کے ساتھ معلق کیا کہ بلاشبہ تم اسے سمجھتے ہو جس پر تم قتال کر رہے ہو اور وہ ثواب ہے۔ اور وہ اسے نہیں جانتے جس پر وہ قتال کرتے ہیں (1)۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ فرض ہے پھر جب ان پر یہ گراں گزرا تو دو کے مقابلے میں ایک کے ثابت قدم رہنے کے سبب یہ فرض ساقط ہو گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں تخفیف فرما دی اور ان پر یہ فرض کر دیا کہ ایک سو دو سو کے مقابلے سے نہ بھاگیں۔ پس اس قول کی بنا پر تخفیف ہے نہ کہ نسخ۔ اور یہ حسن اور اچھا ہے۔ تحقیق قاضی ابن الطیب نے کہا ہے کہ حکم کا بعض حصہ اور اس کے بعض اوصاف جب منسوخ ہو جائیں یا اس کا عدد بدل دیا جائے تو اس کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ یہ نسخ ہے، کیونکہ اس وقت وہ بعینہٖ پہلا نہیں ہوتا بلکہ اس کا غیر ہوتا ہے۔ اور اس میں اختلاف ذکر کیا ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

"نہیں مناسب نبی کے لیے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کر لے زمین میں، تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لیے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب (اور) دانا ہے"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: اَسْرٰى یہ أسیر کی جمع ہے، جیسے قتیل کی جمع قتلی اور جریح کی جمع جرحی ہے اور أسیر کی جمع میں أساری (ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ) اور أساری (ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ) بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ عالیہ کے ساتھ نہیں ہے (مراد الف مقصورہ ہے) وہ قیدی کو چمڑے کی رسی کے ساتھ باندھ دیتے تھے اور وہ أسار کہلاتا ہے۔ اور پھر ہر پکڑے جانے والے کو أسیر کا نام دیا گیا اگرچہ اسے نہ بھی باندھا جائے۔ اعشی نے کہا ہے:

وقیّدنی الشعر فی بیتہ کما قیّد الآسرات الحمارا

اور یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اور ابو عمرو بن علاء نے کہا ہے: الاسری وہ قیدی ہیں جو اس وقت باندھیں نہ جائیں جب وہ پکڑے جاتے ہیں، اور الاساری وہ ہیں جنہیں رسی وغیرہ کے ساتھ باندھا جائے۔ ابو حاتم نے اسے بیان کیا ہے انہوں نے یہ عربوں سے سنا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت بدر کے دن نازل ہوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو عتاب کیا گیا ہے۔ اور معنی یہ ہے: تمہارے لیے مناسب نہیں کہ تم ایسا فعل کرو جو واجب قرار دے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غلبہ سے پہلے قیدی ہوں۔ اور ان کے لیے یہ خبر اس ارشاد کے ساتھ ہے: تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا (تم دنیا کا سامان چاہتے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 877

ہو) اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے وقت مردوں کو باقی رکھنے کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا اور نہ کبھی آپ نے سامان دنیا کا ارادہ کیا، بلاشبہ جمہور جنگ کرنے والوں نے یہ فعل کیا۔ پس زجر و توبیخ اور عتاب اس کے سبب سے متوجہ ہے جس نے فدیہ لینے کے بارے میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور یہی وہ قول ہے جس کے سوا کوئی قول صحیح نہیں ہے۔ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیت میں اس وقت آیا جس وقت آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا جب آپ نے اسے عریش سے دیکھا جب کہ حضرت سعد بن معاذ، حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم نے اسے ناپسند کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاملے کے اچانک آنے اور مدد و نصرت کے نازل ہونے نے اس سے مشغول رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی رکھنے کے بارے نہی ترک کر دی، یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ واللہ اعلم۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے اور اس کا پہلا حصہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے اور یہ اس کی تکمیل ہے۔

ابوزمیل نے بیان کیا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب مسلمانوں نے قیدیوں کو قید کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو فرمایا: ''ان قیدیوں کے بارے میں تم کیا رائے رکھتے ہو؟'' تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ عمزاد اور خاندان کے لوگ ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں، وہ ہمارے لیے کفار کے خلاف قوت و طاقت کا باعث ہوگا اور یہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام قبول کرنے کی ہدایت عطا فرما دے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابن الخطاب تو کیا رائے رکھتا ہے''؟ میں نے عرض کی: قسم بخدا! یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ رائے نہیں رکھتا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے ہے، بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ہمیں اختیار اور قدرت دیں تو ہم ان کی گردنیں ماردیں، پس آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عقیل کے بارے اختیار دیں کہ وہ اس کی گردن ماردیں اور مجھے فلاں (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب آدمی) پر قدرت دیں تو میں اس کی گردن ماردوں، کیونکہ یہ کفار کے ائمہ اور ان کے سردار ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند کیا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اور اسے پسند نہ فرمایا جو میں نے کہا۔ جب دوسرا دن آیا تو میں حاضر خدمت ہوا تو اچانک دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں بیٹھے رو رہے تھے۔ تو میں عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی بتائیے کون سی وجہ سے آپ اور آپ کے ساتھی رو رہے ہیں۔ پس اگر میں نے رونے کو پالیا تو میں بھی رولوں گا، اور اگر میں نے رونا نہ پایا تو تم دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے کی شکل بنالوں گا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اس وجہ سے رو رہا ہوں جو تمہارے ساتھیوں نے مجھ پر فدیہ لینے کی رائے پیش کی تحقیق مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے بھی قریب تر پیش کیا گیا ہے'' (1)۔ (مراد وہ درخت ہے جو اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب تھا) اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ اس

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 93

ارشاد تک فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا تک نازل فرمائی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مال غنیمت کو حلال قرار دیا۔

یزید بن ہارون نے بیان کیا ہے کہ ہمیں یحییٰ نے خبر دی ہے انہوں نے کہا ہمیں ابو معاویہ نے اعمش سے انہوں نے عمرو بن مرہ سے انہوں نے ابو عبیدہ سے اور انہوں نے عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا: جب غزوہ بدر ہوا اور قیدی رائے گئے تو ان میں عباس بھی تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم ان قیدیوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟'' تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ یہ آپ کی قوم ہے اور آپ کے اہل ہیں، آپ انہیں باقی رہنے دیجئے شاید اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق عطا فرما دے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: انہوں نے آپ کی تکذیب کی ہے اور انہوں نے آپ کو (شہر سے) نکالا ہے اور انہوں نے آپ کے ساتھ جنگ کی ہے۔ انہیں آگے لائیے اور ان کی گردنیں مار دیجئے (یعنی انہیں قتل کر دیجئے) اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کثیر لکڑیوں (ایندھن) والی وادی دیکھیے اور اسے ان پر بھڑکا دیجئے۔ تو عباس نے کہا درآنحالیکہ وہ یہ سن رہے تھے: تم نے قطع رحمی کی ہے۔ راوی کہتے ہیں: پس رسول اللہ ﷺ (اندر) داخل ہو گئے اور آپ نے انہیں کسی قسم کا جواب نہ دیا۔ تو لوگوں نے کہا: آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق عمل کریں گے۔ اور کچھ لوگوں نے کہا: آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول لے لیں گے اور بعض لوگوں نے کہا: آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق عمل کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں بعض لوگوں کے دلوں کو نرم کر دیا ہے یہاں تک کہ وہ دودھ سے زیادہ نرم ہو گئے ہیں اور اس نے بعض لوگوں کے دلوں کو سخت کر دیا ہے یہاں تک کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ اے ابوبکر! تیری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثل ہے انہوں نے کہا تھا: فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ابراہیم) (پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بے شک تو غفور رحیم ہے) اے ابوبکر! تیری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثل ہے جب انہوں نے کہا: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (المائدہ) (اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے)

اور اے عمر! تیری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی مثل ہے جب کہ انہوں نے کہا: رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ (نوح) (اے میرے رب نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا) اور اے عمر! تیری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثل ہے جب انہوں نے کہا: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ (یونس) (اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو) تم عیال دار ہو تو کوئی بھی فدیہ یا قتل کیے جانے کے بغیر نہیں چھوٹے گا''۔ تو عبداللہ نے کہا: سوائے سہیل بن بیضاء کے کیونکہ میں نے اسے اسلام کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے۔ پس رسول

اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔ فرمایا: میں نے اپنے آپ کو اس دن سے بڑھ کر خوفزدہ نہیں دیکھا کہ مجھ پر آسمان سے پتھر گرنے لگیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دو آیتیں نازل فرمائیں: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ، الی آخر الآیتین (الانفال) (1) اور ایک روایت میں ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک قریب ہے کہ ہمیں ابن خطاب کی مخالفت میں عذاب آپہنچے اور اگر عذاب نازل ہوا تو سوائے عمر کے کسی کو نہ چھوڑے گا'' ابوداؤد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے انہوں نے بیان کیا: جب بدر کا دن تھا اور رسول اللہ ﷺ نے فدیہ لے لیا، تو اللہ تعالیٰ نے مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ، تا قولہ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ (یعنی تم نے فدیہ لیا) عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (الانفال) تک دو آیتیں نازل فرمائیں۔ بعد ازاں غنائم کو حلال کیا۔

اور علامہ قشیری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: یا رسول اللہ! ﷺ بے شک ہمارا مشرکین کے ساتھ یہ پہلا معرکہ ہے پس غلبہ پانا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور الاثخان کا معنی ہے کثرت سے قتل کرنا۔ یہ حضرت مجاہد وغیرہ سے مروی ہے۔ یعنی وہ مشرکوں کو قتل کرنے میں مبالغہ کریں۔ عرب کہتے ہیں: أثخن فلان فی هذا الأمر یعنی فلاں نے اس کام میں مبالغہ کیا۔ اور بعض نے کہا ہے: یہاں تک کہ آپ غلبہ پالیں اور اس کے ساتھ انہیں قتل کریں۔

اور مفضل نے شعر کہا ہے:

تصلّی الضحی ما دهرها بتعبّد وقد أثخنت فرعون فی کفره کفرا

اور یہ بھی کہا گیا ہے: حَتَّى يُثْخِنَ یہاں تک کہ آپ قدرت پالیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الاثخان سے مراد قوت اور شدت ہے پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ بدر کے وہ قیدی جن سے فدیہ لیا گیا انہیں قتل کرنا ان کے فدیہ سے اولیٰ اور بہتر تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا: یہ بدر کا دن تھا اور اس دن مسلمان قلیل تھے، پس جب یہ بڑھ گئے اور ان کی سلطنت مضبوط اور مستحکم ہو گئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے بارے میں یہ فرمان نازل کیا: فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً (محمد: 4) (بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو) جیسا کہ اس کا بیان سورۃ القتال میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تحقیق کہا گیا ہے: بے شک انہیں عتاب کیا گیا کیونکہ واقعہ بدر بہت عظیم واقعہ تھا اور صنادید قریش، ان کے اشراف، ان کے سرداروں اور ان کے مالوں میں قتل، قید کیے جانے اور ان کا مالک بننے کے اعتبار سے یہ بہت بڑا تصرف تھا۔ اور یہ تمام کا تمام ہی انتہائی عظیم واقعہ تھا، پس ان کا حق یہ تھا کہ وہ وحی الٰہی کا انتظار کرتے اور جلدی نہ کرتے، لیکن جب انہوں نے جلدی کی اور انہوں نے انتظار نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اس انداز سے توجہ فرمائی۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 3۔ طبری وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو فرمایا: اگر تم چاہو تو قیدیوں کا فدیہ لے لو اور تم میں سے ان کی تعداد کے برابر ستر افراد جنگ میں شہید کر دیئے جائیں گے اور اگر تم چاہو تو انہیں قتل کر دیا جائے اور تم

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 1، صفحہ 383

سلامت رہو'۔ لوگوں نے عرض کی: ہم فدیہ لے لیتے ہیں اور ہم میں سے ستر آدمی شہید ہو جائیں گے (1)۔ اور عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام لوگوں کو اس طرح کا اختیار دینے کے بارے پیغام لے کر حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے (2)۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔

اور عبیدہ سلمانی نے کہا ہے: انہوں نے دونوں اختیار طلب کیے (یعنی دونوں کی انہوں نے خواہش کی فدیہ اور شہادت) پس ان میں سے ستر آدمی غزوۂ احد میں شہید کر دیئے گئے۔ اور یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اشکال میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب اختیار دیا گیا تو پھر لمسکم کے قول کے ساتھ زجر و توبیخ کیونکر واقع ہوئی' تو جواب یہ ہے کہ پہلے ان کے فدیہ لینے کی حرص کی وجہ سے زجر و توبیخ واقع ہوئی اور پھر اس کے بعد اختیار دیا گیا۔ اور اس پر حضرت مقداد کا قول دلالت کرتا ہے جو انہوں نے اس وقت کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کے بارے حکم دیا۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میرا قیدی ہے۔ اور حضرت مصعب بن عمیر جن کے بھائی کو قیدی بنایا گیا تھا۔ انہوں نے کہا: اس پر اپنا ہاتھ مضبوط کر لو، کیونکہ اس کی ماں خوشحال ہے۔ علاوہ ازیں بھی واقعات ہیں جو ان کے فدیہ لینے پر ان کی حرص کی دلیل ہیں۔ پس جب قیدی حاصل ہو گئے اور انہیں مدینہ طیبہ کی طرف چلایا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نضر اور عقبہ وغیرہ کو قتل کا حکم نافذ فرمایا اور ان تمام پر سختی ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تخییر کا فرمان نازل ہوا۔ تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ قتل کے بارے میں اپنی پہلی رائے پر ہی قائم رہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدیہ کے مال کے ساتھ مسلمانوں کی قوت کی مصلحت کو پیش نظر رکھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کی طرف مائل ہوئے۔ یہ دونوں آراء تخییر کے بعد اجتہاد ہے۔ اس لیے اس کے بعد اس بارے میں کوئی سخت یا ناراضگی کا حکم نازل نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 5۔ ابن وہب نے کہا ہے: امام مالک نے بیان کیا ہے کہ بدر کے قیدی مشرک تھے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ وہ اس وقت مشرک تھے انہوں نے فدیہ دیا اور واپس لوٹ گئے اور اگر وہ مسلمان ہوتے تو یقیناً وہیں ٹھہر جاتے اور واپس لوٹ کر نہ جاتے۔ ان میں سے جو قتل کیے گئے ان کی تعداد چوالیس تھی، اور انہیں کی مثل قیدی بنائے گئے۔ اور شہداء کی تعداد کم تھی۔ اور عمرو بن علاء نے بیان کیا ہے: بے شک مقتول ستر تھے اور اتنے ہی قیدی تھے۔ اور اسی طرح حضرت ابن عباس اور ابن مسیب رضی اللہ عنہم نے کہا ہے۔ اور یہی صحیح ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں بھی ہے، پس اس دن ستر قتل کر دیئے گئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے۔

اور بیہقی نے ذکر کیا ہے انہوں نے بیان کیا: پس قیدی لائے گئے اور ان پر شقران مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقرر تھے اور وہ انچاس آدمی تھے جو گنے گئے اور در اصل وہ ستر تھے، اسی پر اجماع ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: بے شک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ''اور وہ مشرک تھے'' کیونکہ مفسرین نے روایت کیا ہے کہ عباس نے حضور

1۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 54

2۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی قتل الاساری، حدیث نمبر 1492، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: بلاشبہ میں مسلمان ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ قیدیوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم آپ کے ساتھ ایمان لائے۔ اس سب کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے بطلان پر استدلال اس روایت سے کیا ہے جس میں ان کے واپس لوٹنے کا ذکر ہے اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ انہوں نے احد کے میدان میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ لڑی (1)۔

ابو عمر بن عبد البر نے کہا ہے: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے وقت میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔ پس کہا گیا ہے کہ وہ غزوہ بدر سے پہلے اسلام لائے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی عباس سے ملے تو وہ انہیں قتل نہ کرے کیونکہ انہیں مجبوراً نکالا گیا ہے''۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن فرمایا: ''بے شک بنی ہاشم وغیرہ کے کچھ لوگ بالجبر نکالے گئے ہیں ہمیں انہیں قتل کرنے کی ضرورت نہیں پس تم میں سے کسی کا بنی ہاشم کے کسی فرد سے آمنا سامنا ہو جائے تو وہ اسے قتل نہ کرے اور جو ابو البختری سے ملے وہ اسے قتل نہ کرے اور جس کا سامنا عباس سے ہو جائے تو چاہیے کہ وہ اسے قتل نہ کرے کیونکہ انہیں بالاکراہ نکال کر لایا گیا ہے''۔ اور آگے حدیث ذکر کی۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اس وقت اسلام لائے جب بدر کے دن قیدی بنائے گئے۔ اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ غزوۂ خیبر کے سال اسلام لائے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشرکین کی خبریں لکھتے تھے اور وہ ہجرت کرنا پسند کرتے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف لکھا: أمکث بمکة فمقامك بها أنفع لنا (2) (تم مکہ میں ہی رہو پس تمہارا وہاں رہنا ہمارے لیے زیادہ نفع بخش ہے)

لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾

''اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاء اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ اگر پہلے سے اس بارے میں حکم الٰہی نہ ہوتا کہ وہ کسی قوم کو عذاب نہیں دے گا یہاں تک کہ ان کے لیے اس چیز کو بیان کر دے جس سے وہ بچیں اور پرہیز کریں۔ لوگوں نے کتاب اللہ السابق کے بارے میں مختلف قول کیے ہیں۔ ان میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ اگر غنائم کو حلال کرنے کے بارے میں پہلے سے فیصلہ نہ ہوتا، کیونکہ ہم سے پہلی امتوں پر غنائم کو حرام کیا گیا تھا۔ پس جب غزوہ بدر کا دن تھا، تو لوگ غنائم کی طرف بڑی تیزی سے بڑھے تو اللہ تعالیٰ نے غنائم کو حلال کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ۔ ابو داؤد طیالسی نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔

سلام نے اعمش سے، انہوں نے ابو صالح سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہمیں روایت بیان کی ہے کہ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 881　　2۔ جامع ترمذی، سورۃ انفال، جلد 2، صفحہ 134

انہوں نے کہا: جب بدر کا دن تھا لوگ بڑی جلدی سے غنائم کی طرف بڑھے اور انہوں نے انہیں پالیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إن الغنيمة لا تحل لأحد سود الرؤس غيركم (1) بے شک مال غنیمت تمہارے علاوہ سیاہ بالوں والے کسی بندے کے حلال نہیں کیا گیا۔ تو نبی ﷺ اور ان کے اصحاب جب مال غنیمت حاصل کرتے اور اسے ایک جگہ جمع کر دیتے تو آسمان سے ایک آگ اترتی اور اسے کھا جاتی۔ تب اللہ تعالیٰ نے لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ دو آیتوں کے آخر تک نازل فرمائی۔ اسے ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور حضرت مجاہد اور حسن رحمۃ اللہ علیہما نے یہی کہا ہے۔ ان دونوں سے بھی اور حضرت سعید بن جبیر سے یہ بھی مروی ہے کہ کتاب سابق سے مراد اللہ تعالیٰ کا اہل بدر کے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت فرما دینا ہے۔ اور ایک گروہ نے کہا ہے: الکتاب السابق سے مراد اللہ تعالیٰ کا ان کے اس معین گناہ کو معاف فرما دینا ہے (یعنی مال غنیمت کی طرف تیزی سے بڑھنا) لیکن اس میں عموم اصح ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اہل بدر کے بارے میں فرمایا: ''تجھے کون بتائے کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر پر مطلع ہوا اور اس نے فرمایا تم عمل کرو جو چاہو، تحقیق میں نے تمہاری مغفرت فرما دی ہے'' (2)۔ اسے مسلم نے بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: کتاب سابق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا درآنحالیکہ محمد ﷺ ان میں موجود ہیں۔ اور یہ قول بھی ہے کہ کتاب سابق یہ ہے کہ وہ کسی کو اس گناہ کے بدلے عذاب نہ دے گا جو اس نے عہد جاہلیت میں کیا یہاں تک کہ وہ پھر اس کی طرف بڑھے (یعنی اسلام کے بعد دوبارہ اس کا ارتکاب کرے) اور ایک گروہ نے کہا ہے: کتاب سابق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرنے کے سبب صغیرہ گناہوں کو مٹا دینے کے بارے فیصلہ کیا ہے۔ اور علامہ طبری اس طرف گئے ہیں کہ یہ جملہ معانی اس لفظ کے تحت داخل ہیں اور یہ لفظ ان تمام کو شامل ہے۔ اور کسی معنی کی تخصیص کا فائدہ نہیں دے رہا۔

مسئلہ نمبر 2۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: آیت میں اس پر دلیل موجود ہے کہ بندہ جب ان اقوال میں سے کوئی فعل کر بیٹھے جن کے حرام ہونے کا وہ اعتقاد رکھتا ہے اور وہ فعل اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے لیے حلال ہو تو اس پر کوئی سزا نہیں، جیسا کہ روزے دار جب کہے: یہ میرے سفر کا دن ہے پس میں اب روزہ افطار کرتا ہوں یا عورت کہتی ہے: یہ میرے حیض کا دن ہے پس میں روزہ افطار کرتی ہوں، پھر دونوں نے عملاً ایسا کر لیا اور سفر اور حیض دونوں روزہ افطار کرنے کا موجب ہیں۔ تو اس بارے میں مشہور مذہب یہ ہے کہ اس میں کفارہ ہے۔ اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ اور یہ دوسری روایت ہے۔ پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ اباحت کے طرق تحریم کی سزا میں عذر ثابت نہیں کرتے جب اس حرام کا ارتکاب کیا جائے، جیسا کہ اگر کوئی کسی عورت سے پہلے وطی کرے اور پھر اس سے نکاح کر لے۔ اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دن کی حرمت ساقط ہو چکی ہے پس اس نے ہتک کا ارتکاب ایسے محل میں کیا ہے جو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں حرام نہیں ہے، پس یہ اس کے قائم مقام ہو گیا کہ اگر کوئی عورت سے وطی کرنے کا قصد کرے جو اس کی طرف شب زفاف بھیجی گئی اور وہ اس کے بارے یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ وہ اس

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 2، صفحہ 302
2۔ ایضاً

کی بیوی نہیں ہے جب کہ وہی اس کی بیوی ہو۔ اور یہ زیادہ صحیح ہے۔ اور پہلی تعلیل لازم نہ آئے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہمارے علم کے ساتھ تحریم کے مسئلہ میں برابر ہے۔ اور ہمارے مسئلہ میں ہمارا علم اور اللہ تعالیٰ کا علم مختلف ہیں پس اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہوگا(1)، جیسا کہ اس نے فرمایا: لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۹

"سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

اس ارشاد کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے کہ سارے کا سارا مال غنیمت لشکریوں کے لیے ہو اور وہ تمام کے تمام اس میں برابر شریک ہوں، مگر اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ (الانفال: 41) نے اس سے خمس نکالنے کے وجوب کو بیان کیا ہے اور اسے مذکورہ وجوہ کی طرف پھیر دیا ہے۔ اس بارے میں مکمل بحث پہلے گزر چکی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۰ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱

"اے نبی (کریم!) آپ فرمائیے ان قیدیوں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے اور بخشے گا تمہارے (قصور) اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور اگر وہ ارادہ کریں آپ سے دھوکہ بازی کا (تو حیرت کیوں ہو) انہوں نے تو دھوکہ کیا ہے اللہ سے پہلے ہی (اسی لیے) تو اللہ نے قابو دے دیا (تمہیں) ان پر اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى کہا گیا ہے کہ یہ خطاب حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ خطاب صرف آپ کو ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے: اس آیت میں قیدیوں سے مراد عباس اور ان کے ساتھی ہیں۔ انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم اس (دین) کے ساتھ ایمان لائے جو آپ لے کر آئے اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ یقیناً ہم آپ کے لیے آپ کی قوم پر مخلص رہیں گے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے اس کا بطلان پہلے گزر چکا ہے۔

اور مصنف ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن اہل جاہلیت کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 883

فدیہ چار سو مقرر کیا۔ اور ابن اسحاق سے مروی ہے: قریش نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا۔ اور ہر قوم نے اپنے قیدیوں کا اتنا فدیہ دیا جس پر وہ راضی ہوئے۔ اور عباس نے کہا: یا رسول اللہ! ﷺ بلاشبہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے اسلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے پس اگر ایسا ہوا جیسے تم کہتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی جزا عطا فرمائے گا اور جہاں تک تمہارے معاملے کا ظاہر ہے تو وہ ہم پر عیاں ہے پس تم اپنی ذات، اپنے بھتیجوں نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور عقیل بن ابی طالب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو جو کہ حارث بن فہر کے بیٹوں کا بھائی ہے کا فدیہ ادا کرو''۔ تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ﷺ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: فاین المال الذی دفنتہ أنت وأم الفضل فقلت لها إن أصبتُ فی سفری هذا فهذا المال لبنی الفضل وعبد الله وقثم (1) (وہ مال کہاں گیا جسے تو نے اور ام فضل نے دفن کیا اور تو نے اسے کہا اگر میں اپنے اس سفر میں کام آ جاؤں تو یہ مال میرے بیٹوں فضل، عبد اللہ اور قثم کے لیے ہے) تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ﷺ إنی لأعلم أنك رسول الله، إن هذا الشیٔ ما علمه غیری وغیر أم الفضل (یا رسول اللہ! ﷺ بے شک میں یقیناً جان گیا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، بے شک یہ وہ شے ہے جس کا میرے اور ام فضل کے بغیر کسی کو علم نہیں) پس آپ میرے لیے حساب لگائیے یا رسول اللہ! ﷺ جو مال تم نے مجھ سے لینا ہے مال میں سے بیس اوقیہ میرے پاس ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں (صرف) وہ شے جو اللہ تعالیٰ نے تجھ سے ہمیں عطا فرمائی ہے''۔ (صرف وہی لینی ہے) پس اس نے اپنا، اپنے بھتیجوں اور اپنے حلیف کا فدیہ ادا کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤی، الآیہ

ابن اسحاق نے کہا ہے: تمام قیدیوں میں سے زیادہ فدیہ عباس بن عبد المطلب کا تھا، کیونکہ وہ خوشحال آدمی تھے، پس انہوں نے سو اوقیہ سونا اپنا فدیہ دیا (2)۔ اور بخاری میں ہے: موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا ہے کہ ابن شہاب نے کہا، مجھے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اور عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ آپ ہمیں اجازت عطا فرمائیں کہ ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں قسم بخدا! تم ایک درہم بھی نہ چھوڑو'' (3)۔ اور نقاش وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ قیدیوں میں سے ہر ایک کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا، سوائے عباس کے۔ کیونکہ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ''عباس پر فدیہ دوگنا کر دو'' اور آپ نے انہیں پابند کیا کہ وہ اپنے بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی دیں چنانچہ انہوں نے ان کی طرف سے اسی اوقیہ اور اپنی طرف سے اسی اوقیہ فدیہ ادا کیا اور جنگ کے وقت ان سے بیس اوقیہ لیے گئے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ان دس افراد میں سے ایک تھے جنہوں نے اہل بدر کو کھانا کھلانے کا ذمہ اٹھایا تھا اور ان کی باری بدر کی جنگ کے دن تھی پس ان کے کھانا کھلانے سے پہلے ہی جنگ شروع ہو گئی اور ان کے پاس بیس باقی بچ گئے جو جنگ کے وقت ان سے لے لیے گئے۔ اور اس دن ان سے سو اوقیہ اور اسی اوقیہ لیے گئے۔ پس عباس نے حضور نبی مکرم ﷺ کو کہا: تحقیق تم نے مجھے اس حال میں کر چھوڑا ہے کہ جب تک میں

1۔ تفسیر ابن کثیر، سورۂ انفال، جلد 2، صفحہ 369-368 2۔ ایضاً 3۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 1، صفحہ 428

زندہ رہوں ہاتھ پھیلا کر قریش سے مانگتا رہوں۔ تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: این الذهب الذی ترکته عند امراتك أم الفضل؟ (وہ سونا کہاں گیا جو تو نے اپنی بیوی ام الفضل کے پاس چھوڑا تھا) عباس نے کہا: کون سا سونا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انك قلت لها لا أدری ما یصیبنی فی وجهی هذا فإن حدث بی حدث فهو لك ولولدك (بے شک تو نے اسے کہا تھا میں اسے نہیں جانتا جو مجھے پیش آئے گا پس اگر میرے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے ہے) تو عباس نے پوچھا: اے بھتیجے! تجھے اس کے بارے کس نے خبر دی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے''۔ تب عباس نے کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں اور مجھے آپ کے رسول اللہ ہونے کا کبھی یقین نہیں ہوا مگر آج اور تحقیق میں نے جان لیا ہے کہ آپ کو اس پر کسی نے مطلع نہیں کیا مگر اس نے جو پوشیدہ اور مخفی چیزوں کو جاننے والا ہے۔ أشهد ان لا إله إلا الله وانك عبده ورسوله اور میں اس کے سوا ہر (معبود باطل) کا انکار کرتا ہوں۔ اور پھر انہوں نے اپنے بھتیجوں کو بھی حکم دیا تو وہ بھی اسلام لے آئے، پس ان دونوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤی اور جس نے عباس کو قید کیا تھا وہ ابو الیسر کعب بن عمرو بنی سلمہ کے بھائی تھے اور وہ بالکل چھوٹے قد کے آدمی تھے اور عباس موٹے تازے طویل القامت تھے پس جب وہ انہیں لے کر حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: لقد اعانك علیه ملك (تحقیق اس پر فرشتے نے تیری مدد کی ہے)

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا اس میں خیر سے مراد اسلام ہے (یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں اسلام جان لیا) یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ تو وہ تمہیں اس فدیہ سے بہتر عطا فرمائے گا جو تم سے لیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ دنیا میں عطا فرمائے گا۔ اور یہ قول بھی ہے کہ آخرت میں عطا فرمائے گا۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین کا مال آیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: بے شک میں نے اپنا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کا فدیہ بھی دیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ''لے لو'' پس انہوں نے اپنا کپڑا بچھایا اور اتنا مال لے لیا جتنا اٹھانے کی طاقت رکھتے تھے۔ یہ مختصر کیا گیا ہے۔

اور غیر صحیح میں ہے: تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یہ اس سے بہتر ہے جو مجھ سے لیا گیا اور اس کے بعد میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے (1)۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: آپ نے مجھے زمزم عطا کیا۔ اور میں پسند نہیں کرتا کہ اس کے بدلے اہل مکہ کے تمام اموال میرے لیے ہوں۔ اور طبری نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ تک سند بیان کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا: میرے بارے میں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس وقت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اسلام کے بارے میں آگاہ کیا اور میں نے آپ سے عرض کی کہ آپ میرے ان بیس اوقیہ کے بارے میں جانچ پرکھ کریں جو فدیہ کی ادائیگی سے پہلے مجھ سے لے لیے گئے تو آپ نے انکار کر دیا'' اور فرمایا: وہ فے ہے''۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے بدلے بیس غلام عطا فرمادیے وہ سب کے سب میرے مال کے ساتھ تجارت کرتے ہیں۔ (2)

1۔ المحرر الوجیز 2۔ ایضاً

اور مصنف ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا: جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا تو حضرت زینب (بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابو العاص کے فدیہ کے لیے کچھ مال بھیجا اور اس میں انہوں نے اپنا وہ ہار بھی بھیجا جو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا اور ابو العاص کے ساتھ شادی کے وقت انہوں نے وہ انہیں پہنایا تھا۔ آپ فرماتی ہیں: پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو آپ پر انتہائی رقت طاری ہوگئی۔ اور آپ نے فرمایا: ''اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے لیے ان کے قیدی کو رہا کردو اور اس کا یہ ہار اسے واپس لوٹادو''۔ تو انہوں نے عرض کی: ہاں (ہم ایسا ہی کرتے ہیں) تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ زینب کو آپ کے پاس بھیج دے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور انصار میں سے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا: ''تم دونوں بطن یاجج میں جا کر رکو یہاں تک کہ زینب تمہارے پاس سے گزرے پس تم دونوں اس کے ساتھ ہو جانا یہاں تک کہ تم اسے لے آؤ''۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے: یہ غزوہ بدر کے ایک مہینہ بعد کا واقعہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر نے بیان کیا ہے: میں نے حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب ابو العاص مکہ میں آیا تو اس نے مجھے کہا: تو تیاری کر اور اپنے باپ کے پاس چلی جا۔ پس میں نکلی تیاری کرنے لگی تو مجھے ہند بنت عتبہ ملی اور اس نے کہا: اے محمد کی بیٹی! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو اپنے باپ کے پاس جانے کا ارادہ رکھتی ہے؟ تو میں نے اسے کہا: میں نے اس کا ارادہ نہیں کیا۔ تو اس نے کہا: اے چچا کی بیٹی! تو ایسا نہ کر، بے شک میں خوشحال عورت ہوں اور میرے پاس تیری حاجت اور ضرورت کا سامان ہے۔ پس اگر تو سامان کا ارادہ کرے تو میں تجھے وہ بیچ دوں یا نفقہ کے لیے قرض چاہیے تو میں تجھے قرض دے دیتی ہوں، کیونکہ وہ کچھ عورتوں کے درمیان نہیں ہوتا جو مردوں کے درمیان ہوتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں: قسم بخدا! میں اسے دیکھ رہی تھی کہ اس نے یہ بہتان تراشی کے لیے کہا ہے۔ پس میں اس سے ڈر گئی اور میں نے اس سے اسے چھپائے رکھا اور میں نے کہا: میں اس کا ارادہ نہیں رکھتی۔ بس جب زینب اپنی تیاری سے فارغ ہوگئیں تو آپ وہاں سے چل پڑیں اور ان کے ساتھ ان کا دیور اونٹ کی مہار پکڑ کر (قائد) کنانہ بن ربیع بھی نکلا اور یہ دن کے وقت گھر سے نکلے تھے۔ اور اس بارے میں اہل مکہ نے بھی سن لیا، چنانچہ ان کی تلاش میں ہبار بن اسود اور نافع بن عبدالقیس الفہری نکلے اور سب سے پہلے جو آپ کی طرف آگے بڑھا وہ ہبار تھا اس نے نیزے کے ساتھ آپ کو خوفزدہ کیا اور دھمکایا درآنحالیکہ آپ ہودج میں تھیں۔ کنانہ نے اونٹ بٹھایا اور اپنے تیر پھیلا دیئے، پھر اپنی قوس پکڑی اور کہا: قسم بخدا! جو آدمی بھی میرے قریب آئے گا میں اسے تیر ماروں گا۔ اشراف قریش میں سے ابو سفیان آیا اور اس نے کہا: اے فلاں! اپنا تیر ہم سے روک لے یہاں تک کہ ہم تیرے ساتھ گفتگو کر لیں۔ پس ابو سفیان اس کے پاس آیا اور کہا: بے شک تو نے کچھ نہیں کیا، تو لوگوں کے سامنے ایک عورت کے ساتھ نکلا ہے، حالانکہ تو ہماری اس مصیبت کو جانتا ہے جو بدر کے مقام پر ہمیں پہنچی پس عرب یہ گمان کرتے ہیں اور ہم یہ گفتگو کرتے ہیں کہ یہ ہماری طرف سے کمزوری اور ضعف ہے کہ تو ہمارے درمیان سے لوگوں کے سامنے ان کی بیٹی کو ساتھ لے کر ان کی طرف نکلے۔ تو اس عورت کو ساتھ لے کر واپس لوٹ جا اور چند دن یہیں قیام کر، پھر رات کے وقت آہستہ سے اسے ساتھ لے کر چلے جاؤ اور اسے اس کے باپ کے پاس پہنچا دو۔ پس

مجھے اپنی عمر کی قسم! ہمیں اسے اپنے باپ سے روکنے کی کوئی حاجت نہیں اور ہمارے لیے اب اس بارے میں تکلیف کے وہ جذبات بھڑکے ہوئے ہیں جو ہمیں پہنچی ہے۔ پس اس نے ایسا کرلیا، پس جب دو دن یا تین دن اس طرح گزر گئے تو وہ ان کے ساتھ چل پڑا۔ پس میں چلتی رہی یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئی۔ اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب ہبار بن ام درہم نے انہیں خوفزدہ کیا تو جو خوف اور ڈر آپ کو لاحق ہوا اس کی وجہ سے وہ حمل ساقط ہو گیا جو آپ کے پیٹ میں تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: مشرکین میں سے جب لوگوں کو قیدی بنایا گیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اسلام لانے کی گفتگو کی اور اس بارے میں وہ پرعزم نہ تھے اور نہ ہی اس بارے انہوں نے اعتراف یقینی کیا۔ اور شبہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے قریب ہونے کا ارادہ کیا اور مشرکین سے دور نہ ہوئے۔ ہمارے علماء نے کہا ہے: اگر کوئی کافر دل اور زبان سے ایمان کے بارے کلام کرے اور اس میں اسے عزیمت حاصل نہ ہو تو وہ مومن نہیں۔ اور جب اس کی مثل صورت مومن سے پائی جائے تو وہ کافر ہو جائے گا، مگر یہ کہ وہ ایسا وسوسہ ہو جس کو رد کرنے پر وہ قادر نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا ہے اور اسے ساقط کر دیا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول معظم ﷺ کے لیے اس حقیقت کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے: وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ یعنی اگر ان کی طرف سے یہ قول بطور خیانت اور مکر ہے۔ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ تحقیق انہوں نے اس سے قبل اپنے کفر کے ساتھ اور آپ کے ساتھ اپنے مکر اور آپ کے ساتھ قتال کر کے اللہ تعالیٰ سے خیانت کی ہے۔ اور اگر ان کی طرف سے یہ قول خیر ہے اور اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے تو وہ ان سے اسے قبول کرلے گا اور انہیں اس سے بہتر عوض عطا فرمائے گا جو ان سے نکلا ہے اور ان کے سابقہ گناہ، ان کا کفر، ان کی خیانت اور ان کا مکر سبھی بخش دے گا (1)۔ اور خیانۃ کی جمع خیائن ہے۔ اور واجب تھا کہ یہ کہا جاتا: خوائن کیونکہ یہ واوی الفاظ میں سے ہے، مگر انہوں نے اس کے اور خائنۃ کی جمع کے درمیان فرق کیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے: خائن و خوان و خونۃ و خانۃ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِیْرٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 885

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۵﴾

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں اور وہ جنہوں نے پناہ دی (مہاجرین کو) اور (ان کی) مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی نہیں تمہارے لیے ان کی وراثت سے کوئی چیز یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ مدد طلب کریں تم سے دین کے معاملہ میں تو فرض ہے تم پر ان کی امداد مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح) کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں، اگر تم (ان حکموں پر) عمل نہیں کرو گے تو برپا ہو جائے گا فتنہ ملک میں اور (پھیل جائے گا) بڑا فساد۔ اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی (خوش نصیب) لوگ سچے ایمان دار ہیں انہیں کے لیے بخشش ہے اور باعزت روزی۔ اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا تمہارے ساتھ مل کر تو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور رشتہ دار (ورثہ میں) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں حکم الٰہی کے مطابق یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سورت کا اختتام موالاۃ کے ذکر کے ساتھ کیا تاکہ ہر فریق اپنے اس دوست اور ولی کو جان لے جس سے وہ مدد طلب کر سکتا ہے۔ ہجرت اور جہاد کا لغوی اور اصطلاحی معنی و مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا یہ اس پر معطوف ہے۔ اور مراد وہ انصار ہیں جو ان سے پہلے ایمان کے ساتھ اپنے گھروں میں اقامت گزیں تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین ان سے آملے۔ اولئک یہ مبتدا ہونے کے سبب محل رفع میں ہے۔ بَعْضُهُمْ یہ دوسرا مبتدا ہے۔ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یہ اس کی خبر ہے اور پھر سب مل کر ان کی خبر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اولیاء بعض، فی المیراث (یعنی وہ میراث میں ایک دوسرے کے ولی ہیں) پس وہ ہجرت کے سبب ایک دوسرے کے وارث بنتے رہے۔ اور وہ آدمی جو ایمان تو لایا لیکن اس نے ہجرت نہ کی تو وہ اس کا وارث نہ بن سکتا جس نے ہجرت کی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول وَاُولُوا الْاَرْحَامِ، الآیہ کے ساتھ اسے منسوخ کر دیا۔ اسے ابو داؤد نے بیان کیا ہے۔

اور میراث مومنین میں سے ذوی الارحام کے لیے ہوگی۔ اور دو دین رکھنے والے باہم کسی شے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد سامنے آیا: ''فرائض (حصص) کو ان کے اہل کے ساتھ ملحق کر دو'' (1)۔ اس کا بیان پہلے آیۃ المواریث میں گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہاں نسخ نہیں ہے، بلکہ اس کا معنی ہے وہ نصرت اور مدد کرنے میں ایک

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، جلد 2، صفحہ 997

دوسرے کے دوست ہیں، جیسا کہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ مبتدا اور خبر ہے۔ مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ یحییٰ بن وثاب، اعمش اور حمزہ نے واو کے کسرہ کے ساتھ مِّنْ وِّلَايَتِهِمْ پڑھا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ بھی ایک لغت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ولیتُ الشئ (میں شے کا والی بنا) سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے: ولی بین الولایۃ جس کی دوستی واضح ہو وہ ولی کہلاتا ہے اور وال بین الولایۃ (اور جس کی امارت بین ہو وہ والی کہلاتا ہے) اس مقام پر فتحہ یعنی ولایۃ زیادہ واضح اور احسن ہے، کیونکہ یہ نصرت اور نسب کے معنی میں ہے۔ اور کبھی وَلایۃ اور وِلایۃ دونوں کا اطلاق امارت پر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قولہ تعالیٰ: وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ مراد یہ ہے کہ وہ مومنین جنہوں نے ہجرت نہیں کی اگر وہ تمہیں دار الحرب سے اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لیے افرادی یا مالی امداد کے لیے پکاریں تو تم ان کی امداد کرو اور یہ تم پر فرض ہے پس تم انہیں ذلیل و رسوانہ کرو، مگر یہ کہ اگر وہ تم سے ایسی کافر قوم کے خلاف مدد طلب کریں جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو پھر ان کے خلاف تم مدد نہ کرو اور اپنا عہد نہ توڑو یہاں تک کہ اس کی مدت مکمل ہو جائے۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: مگر یہ کہ وہ انتہائی کمزور اور ضعیف ہوں تو پھر ان کے ساتھ دوستی اور موالات قائم رہے گی اور ان کی مدد و نصرت واجب ہوگی، یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی ایک جھپکنے والی آنکھ بھی باقی رہے گی یہاں تک کہ وہ انہیں بچانے کے لیے ضرور نکلے گی، اگر ہماری تعداد اسے برداشت کر سکتی ہو یا پھر انہیں وہاں سے نکالنے کے لیے ہم اپنے سارے مال خرچ کر دیں گے یہاں تک کہ کسی کے پاس ایک درہم بھی باقی نہ رہے۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور جمیع علماء نے کہا ہے: لیکن اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ، اس پر جس نے مخلوق کے لیے اپنے بھائیوں کو دشمن کی قید میں چھوڑے رکھنے کو حلال قرار دیا ہے اس کے باوجود کہ ان کے قبضے میں اموال کے خزانے بھی ہوں اور وافر احوال وقدرت، تعداد اور قوت و طاقت بھی میسر ہو۔ زجاج نے کہا ہے: اغراء کی بنا پر فعلیکم النصر نصب کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ قولہ تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اللہ تعالیٰ نے کفار اور مومنین کے درمیان موالات کو ختم کر دیا ہے۔ اور مومنین کو آپس میں ایک دوسرے کا دوست اور کفار کو آپس میں ایک دوسرے کا حمایتی قرار دیا ہے، وہ اپنے دین کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور اپنے اعتقاد کے مطابق باہم معاملات کرتے ہیں۔ ہمارے علماء نے ایسی کافرہ عورت کے بارے میں کہا ہے جس کا بھائی مسلمان ہو کہ وہ اس کی شادی نہیں کر سکتا، کیونکہ ان دونوں کے درمیان ولایت موجود نہیں، اور اس عورت کی مثل دین رکھنے والا اس کی شادی کر سکتا ہے۔ پس جس طرح مسلمان عورت کی شادی مسلمان ہی کر سکتا ہے، اسی طرح کافرہ کی شادی بھی وہ کافر ہی کر سکتا ہے جو اس کا قریبی ہو یا اس کا بشپ ہو، اگرچہ وہ کسی مسلمان سے ہو، مگر یہ کہ وہ عورت آزاد ہو، پس اگر اس کا عقد غیر آزاد پر کیا گیا تو وہ فسخ کر دیا جائے گا اگر وہ کسی مسلمان کا ہو اور نصرانی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ اور اصبغ نے کہا ہے: وہ عقد فسخ نہیں کیا جائے گا، (کیونکہ) مسلمان کا عقد تو اولیٰ اور افضل ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ قولہ تعالیٰ: اِلَّا تَفْعَلُوْهُ اس میں ضمیر موارثت اور اس کے التزام کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس کا معنی یہ

ہے: مگر تم انہیں چھوڑ دو وہ ایک دوسرے کے وارث بنیں گے جیسے وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے رہے۔ یہ ابن زید نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: کہ یہ ضمیر تناصر (ایک دوسرے کی مدد کرنا) موازرۃ (اظہار ہمدردی اور غم خواری کرنا) معاونۃ اور اتصال الایدی (ہاتھ ملانا) کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ابن جریج وغیرہ نے کہا ہے: یہ اگر نہ کیا گیا تو قریب ہے اس سے فتنہ واقع ہو جائے اور یہ پہلے سے زیادہ مؤکد ہے۔

ترمذی نے عبداللہ بن مسلم بن ہرمز سے انہوں نے عبید کے دو بیٹوں محمد اور سعد سے اور انہوں نے ابوحاتم مزنی سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تمہارے پاس وہ آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو تم اس کا نکاح کر دو اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد برپا ہو جائے گا"۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ کفو اور مال کے اعتبار سے کچھ کمی بھی ہو؟ تو آپ نے فرمایا: اذا جاء کم من ترضون دینہ و خلقہ فانکحوہ (1) آپ نے یہ تین بار فرمایا: ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ضمیر اس عہد میثاق کی حفاظت کی طرف لوٹ رہی ہے جسے یہ ارشاد متضمن ہے: اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اور یہ اگر نہ کیا جائے تو یہ بذات خود ایک فتنہ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ دین کے بارے میں مسلمانوں کی مدد کرنے کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور یہی دوسرے قول کا معنی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کو دین میں اپنی ولایت کا اہل قرار دیا ہے ان کے سوا کسی کو نہیں۔ اور کافروں کو ایک دوسرے کا حمایتی قرار دیا ہے۔ پھر فرمایا ہے: اِلَّا تَفْعَلُوْهُ اور وہ یہ ہے کہ مومن کافر کا ولی ہے نہ کہ مومنین کا۔ تَكُنْ فِتْنَةٌ یعنی جنگ کی مشقت آپڑے گی اور وہ جو اس کے ساتھ جاری ہوتی ہے مثلاً حملے، جلاوطنی اور قید وغیرہ۔ اور فساد کبیر سے مراد شرک کا ظاہر ہونا ہے۔ کسائی نے کہا ہے: قول باری تعالیٰ تَكُنْ فِتْنَةٌ میں نصب بھی جائز ہے اور معنی یہ ہوگا تکن فِعلتُکم فتنۃ و فسادا کبیرا (تمہارا ایسا کرنا فتنہ اور فساد کبیر کا باعث بن جائے گا) حقا یہ مصدر ہے، یعنی انہوں نے ہجرت اور نصرت کے ساتھ اپنے ایمان کو پختہ اور ثابت کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی اس بشارت کے ساتھ تصدیق کر دی ہے کہ فرمایا: مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ یعنی ان کے لیے جنت میں بہت بڑا ثواب ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ قولہ تعالیٰ: وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا مراد وہ لوگ ہیں جو حدیبیہ اور بیعت رضوان کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی۔ اور وہ یہ کہ اس کے بعد ہجرت پہلی ہجرت سے رتبہ میں کم تھی۔ اور دوسری ہجرت وہ ہے جس میں صلح واقع ہوئی اور دو سال تک جنگ نے اپنے ہتھیار ڈالے رکھے پھر مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "فتح کے بعد کوئی ہجرت نہیں"۔ تو یہ واضح ہو گیا کہ جو اس کے بعد ایمان لایا اور ہجرت کی تو وہ ان کے ساتھ مل جائے گا۔ اور منکم کا معنی ہے نصرت و موالات میں تمہاری مثل ہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ قولہ تعالیٰ: وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ یہ مبتدا ہے۔ اُولوا کی واحد ذو ہے اور الرحم مونث ہے، اس کی جمع

1۔ جامع ترمذی، کتاب النکاح، جلد 1، صفحہ 128۔ ایضاً، حدیث نمبر 1005-1004، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ادحام ہے۔ اور یہاں اس سے مراد عصبات ہیں نہ کہ وہ جو رحم سے پیدا ہوا ہو۔ اور وہ جو اس کی وضاحت کرتا ہے کہ رحم سے مراد عصبات ہیں وہ عربوں کا یہ قول ہے: وصلتك رحم (عصبہ نے تجھے ملا دیا، جوڑ دیا) وہ اس سے ماں کی قرابت مراد نہیں لیتے۔ قتیلہ بنت حارث جو کہ نضر بن حارث کی بہن ہے نے کہا، اسی طرح ابن ہشام نے کہا ہے: سہیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ وہ نضر کی بیٹی ہے اس کی بہن نہیں، ''کتاب الدلائل'' میں اسی طرح ہے۔ وہ اپنے باپ کا مرثیہ کہتی ہے جس وقت حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بند کر کے وادی صفراء میں قتل کیا:

یا راكباً إن الأثيل مظِنَّةٌ من صُبح خامسةٍ وأنت مُوَفَّقُ

اے سوار! مقام اثیل کے متعلق مجھے پانچویں روز کی صبح سے بدگمانی ہے اور تو بڑے ٹھیک وقت پر آیا ہے (جب تیری ضرورت تھی)

أبلِغ بها مَيْتًا بأن تحيّة ما إن تزال بها النجائب تخفِقُ

وہاں کی ایک میت کو پیغام پہنچا دینا کہ اسے سلام ہو جب تک شریف اونٹنیاں وہاں تیزی سے آتی جاتی رہیں۔

منّي إليك و عبرةٌ مسفوحةٌ جادت بواكفِها و أخرى تخنقُ

میری طرف سے تیرے لیے وہ بہائے گئے آنسو ہیں جو اپنے محل سے کثرت سے بہتے ہیں اور وہ رونے میں پھندا لگائے ہوئے ہیں۔

هل يسمعَنّي النضرُ إن ناديتُه أم كيف يسمعُ ميّت لاينطق

اگر میں پکاروں تو کیا نضر میری پکار سنے گا یا وہ مردہ کیسے سن سکتا ہے جو بول نہیں سکتا۔

أمحمدٌ يا خيرَ ضِنءِ كريمةٍ في قومها والفحلُ فحلٌ مُعرِق

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اے اپنی قوم کی شریف عورت کی بہترین اولاد! اور شریف تو وہی ہوتا ہے جو نسلاً شریف ہو۔

ما كان ضرّك لو مننتَ وربما منّ الفتى وهو المَغيظ المُحْنَق

اگر آپ احسان کرتے (اور اسے چھوڑ دیتے) تو آپ کا کیا نقصان ہوتا اور ایسا کم ہوا ہے کہ نوجوان ایسی حالت میں احسان کرے جب کہ وہ غصہ سے بھرا کینہ ور ہو۔

لوكنتَ قابِلَ فدية لفديتُه بأعزّ ما يُفدى به ما يُنفِق

اگر آپ فدیہ قبول کر لیتے تو میں اس کا فدیہ اس معزز (اور قیمتی) شے کے ساتھ ادا کرتی جس کے ساتھ فدیہ دیا جا سکتا ہے اور جو خرچ ہو سکتی ہے۔

فالنضرُ أقربُ مَن أسَرتَ قرابةً وأحقُّهم إن كان عِتقٌ يُعتَق

کیونکہ نضر ان تمام لوگوں میں زیادہ قریبی رشتہ دار ہے جن کو آپ نے اسیر کیا اور ان سب سے زیادہ اس بات کا حق دار ہے کہ اگر آزادی ممکن ہو تو آزاد کر دیا جائے۔

ظلت سيوفُ بني أبيه تنوشه لله أرحام هناك تُشقّق

اس کے بھائیوں کی تلواریں اسے ٹکڑے ٹکڑے کرتی رہیں۔ ہائے خدایا وہاں قرابتوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے رہے۔

صَبْرًا يُقاد إلى المنية مُتْعَبا رَسْفَ المُقَيَّد وهو عانٍ مُوثَق

اسے موت کی جانب اس حالت میں کھینچا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہیں، تھکا ماندہ ہے، بیڑیوں میں بمشکل پاؤں اٹھا رہا ہے اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ سلف اور ان کے بعد آنے والوں نے ذوی الارحام کو وارث بنانے میں اختلاف کیا ہے۔ اور ذوی الارحام وہ ہیں جن کے لیے کتاب اللہ میں کوئی حصہ مقرر نہیں۔ اور یہ میت کے رشتہ دار تو ہیں لیکن عصبہ نہیں ہیں، جیسے بیٹیوں کی اولاد، بہنوں کی اولاد، بھائی کی بیٹیاں، پھوپھی اور خالہ اور چچا جو باپ کا ماں کی طرف سے بھائی ہو، نانا، نانی اور جوان کے قریبی ہیں۔ پس ایک قوم نے کہا ہے: ذوی الارحام میں سے جس کا کوئی حصہ نہیں وہ وارث نہیں بن سکتا۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اور یہی اہل مدینہ کا قول ہے۔ اور حضرت مکحول اور امام اوزاعی رحمہما اللہ سے مروی ہے اور اسی طرح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے۔ اور جنہوں نے انہیں وارث بنائے جانے کا قول کیا ہے وہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابن مسعود، حضرت معاذ، حضرت ابودرداء اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم ہیں اور ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور یہی اہل کوفہ، امام احمد، اسحاق کا قول ہے۔ اور انہوں نے استدلال کیا ہے اور کہا ہے: ذوی الارحام میں دو سبب جمع ہیں ایک قرابت اور دوسرا اسلام۔ پس وہ وراثت کا اس سے زیادہ حق دار ہے جس میں صرف ایک سبب پایا جاتا ہے اور وہ سبب اسلام ہے۔ پہلے فریق نے جواب دیتے ہوئے کہا ہے: یہ آیت مجمل اور جامع ہے۔ اور ظاہراً یہ ہر رشتہ دار کو شامل ہے چاہے وہ قریبی ہو یا بعیدی اور آیات مواریث مفسر ہیں اور مفسر مجمل پر راجح ہوتا ہے اور اس کی وضاحت اور بیان ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا: تحقیق حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولاء کو سبب ثابت قرار دیا ہے اور اس میں مولی کو قائم مقام عصبہ کے رکھا ہے اور ارشاد فرمایا: الولاء لمن أعتق (1) (ولاء اس کے لیے ہے جس نے آزاد کیا) اور ولاء کو بیچنے اور اسے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور دوسروں نے اس سے استدلال کیا ہے جیسے ابوداؤد اور دارقطنی نے حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کوئی بوجھ (یعنی قرض وغیرہ) چھوڑا تو وہ میرے سپرد ہے''۔ اور بسا اوقات یوں فرمایا ''پس وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے ہیں۔ اور جس نے مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے پس میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں میں ان کی طرف سے دیت اور تاوان ادا کروں گا اور میں ہی اس کا وارث ہوں گا اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا اور کوئی وارث نہ ہو اور اس کی طرف سے تاوان

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، جلد 2، صفحہ 48

اور دیت ادا کرے گا اور اس کا وارث بنے گا'' (1)۔ اور دار قطنی نے حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کا مولیٰ ہے جس کا کوئی مولیٰ نہیں اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں''۔ یہ روایت موقوف ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ماموں وارث ہے''۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کے بارے پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نہیں جانتا یہاں تک کہ جبرائیل امین علیہ السلام میرے پاس آئیں''۔ پھر فرمایا: ''پھوپھی اور خالہ کی میراث کے بارے پوچھنے والا سائل کہاں ہے''؟ راوی کا بیان ہے: پس وہ آدمی حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جبریل امین نے مجھے ابھی پیغام پہنچایا ہے کہ ان دونوں کے لیے کوئی شے نہیں''۔ دار قطنی نے کہا ہے: اسے مسعدہ کے بغیر محمد بن عمرو سے کسی نے مسند ذکر نہیں کیا اور یہ ضعیف ہے۔ اور درست یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ اور حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ زیاد بن ابی سفیان نے اپنے ہمنشین کو کہا: کیا تو جانتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھوپھی اور خالہ کے بارے میں کیسے فیصلہ کیا؟ تو انہوں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے کہا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے زیادہ جانتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے بارے میں کیسے فیصلہ کیا؟ آپ نے خالہ کو قائم مقام ماں کے اور پھوپھی کو قائم مقام باپ کے رکھا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، جلد 2، صفحہ 46-45

ایضاً، حدیث نمبر 2512، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ابن ماجہ، باب ذوی الارحام، حدیث نمبر 2727، ضیاء القرآن پبلی کیشنز